

مجموعہ تقاریر

خطیبِ آلِ محمدؐ

مولانا السید اظہر حسن زیدی مدظلہ العالی

حصہ سوئم

٭

مرتب

خضر عباس سید ایم اے

ناشر:- سبط زہرا اکیڈمی

ڈرآباد۔ پوسٹ آفس سندیلیانوالی ضلع لائل پور

نوجوانان!

خوب یاد رکھو! جب تمہارا ضمیر کسی امر
کے حق ہونے پر مطمئن ہو جائے تو اسکی
حمایت کے لئے سیسہ پلائی ہوئی دیوار
کی طرح مستقل ہو جاؤ اور کوئی طاقت
امرِ حق سے تمہیں متزلزل نہ کر سکے۔
یہی کربلا والے کا درس ہے ــــــ

خطیبِ آلِ محمدؐ



خطیبِ آلِ محمدؐ



خضر عباس سید

خبر کرو مرے خرمن کے خوشہ چینوں کو

خطیبِ آلِ محمد جلد اوّل و جلد دوم کی کامیابی پر قارئین کو ہدیۂ مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ خطاب کو کتاب کے سانچے میں ڈھالنا ایک کٹھن مرحلہ تھا۔ اسلئے ان تمام تقاریر کو تحریری جامہ نہ پہنا سکا جن کا جلد اوّل کے پہلے ایڈیشن میں وعدہ کیا گیا۔ اس کی ایک وجہ کاغذ کی بڑھتی ہوئی گرانی بھی ہے۔ لہٰذا قارئین کی تشنگیٔ شوقِ جستجو کے پیشِ نظر مزید تین جلدیں (چہارم، پنجم، ششم) ترتیب دینے کا وعدہ کرتا ہوں۔

خطیبِ آلِ محمد جلد سوئم کا نذرانۂ عقیدت بحضور سیّد الشہداءؑ پیش کرتا ہوں۔ اور اُمید کرتا ہوں کہ فرزندِ رسولؐ میری اس کاوش کو منظور فرمائیں گے۔ (گر قبول افتد زہے عزّ و شرف)

چونکہ مولانا موصوف کی علمی و ادبی شخصیت پر بحث کرنا گویا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ اس لئے ادب کے ایک طالبِ علم کی حیثیت سے صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ ؎

دِل یہ کہتا ہے کہ دامانِ خرد بنتا رہوں
تو بیاں کرتا رہے میں عمر بھر سنتا رہوں
گفتگو سُن کے تیری اپنا سر دُھنتا رہوں
تیرے منہ سے پھول جو گرتے رہیں چُنتا رہوں
گوہرِ یکتا ہے اپنے فن میں لاثانی ہے تُو
سادگی میں پُراثر تقریر کا بانی ہے تُو

قارئین:-

خطیبِ آلِ محمد ـــ جلد سوم آپکی منتظر ہے ـــ خاکپائے مومنین

خضر عباس سید

ترتیب مضامین

پہلا ایڈیشن

تعداد ـــــ ایک ہزار پانچسو

اشاعت

جنوری ۱۹۷۴ء ، ذوالحجہ ۱۳۹۳ھ

کتابت :

حافظ محمد شریف حیدری

مطبوعہ :- رزاق پرنٹنگ پریس۔ لاہور

مجموعۂ تقاریر

خطیبِ آلِ محمدؐ

✲

حصہ سوئم

مجھے درپیش مشکل مرحلہ ہے !

بچھڑ کے رہ نہ جاؤں کارواں سے

رقم کرتا ہوں ذکرِ آلِ احمدؐ !

خطیبِ آلِ احمدؐ کی زباں سے

※

(خضر عبّاس سیّد)

مرج البحرین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خداوند عالم کی حمد و ثنا کے بعد حضرات محمد و آلِ محمد پر درود و سلام

محترم سامعین!
میرے ایک حقیقی بھائی مجھے حکم فرماتے ہیں کہ آج اپنی گفتگو شروع کرنے سے پہلے مولوی صاحبان کے دستور کے مطابق چھوٹا سا عربی کا خطبہ بھی آپکو سُنا دوں۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل میں دو چار جملوں کا ایک خطبہ آپ کو سُناتا ہوں

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا

والصلوٰة

وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ اَرْسَلَهٗ لِلْخَلْقِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا
وَعَلٰى آلِهِ الَّذِيْنَ اَذْهَبَ اللّٰهُ عَنْهُمُ الرِّجْسَ
وَطَهَّرَهُمْ تَطْهِيْرًا

حضرات گرامی!
اگر آپ مجھے حکم دیں تو میں ساری مجلس عربی میں ہی نہ پڑھ دوں؟ خدا شاہد ہے میں نے آج تک اس بات کو کبھی ظاہر نہیں ہونے دیا کہ میں بھی عربی جانتا ہوں۔ اس لیے خطبہ بھی کبھی نہیں پڑھا۔ خطبہ کے متعلق حکم صرف اتنا ہے کہ بسم اللہ پڑھو اور خدا کی حمد کرو۔ مگر اس زبان میں پڑھو جس زبان میں

تمہیں تقریر کرنا ہے۔ لہٰذا میں اس بات کا ہمیشہ خیال رکھتا ہوں کہ سامعین کی زبان میں ہی گفتگو کی جائے۔

سامعین کرام!

آج میں آپ سے مختصر لفظوں میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ کلام مجید کے سورۂ "رحمٰن" میں اللہ نے اپنی جن نعمتوں کا تذکرہ فرمایا ہے اُن میں سے ہر نعمت خود اللہ کی نظروں میں اتنی باوقار اور باعزت ہے کہ ہر نعمت کے بعد خدا جیسے عالی ظرف محسن کو یہ کہنا پڑا فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ط

چونکہ میں سورۂ رحمٰن کی تشریح نہیں کرنا چاہتا اس کے لئے بڑی فرصت چاہیئے اس لئے اختصار کے ساتھ یہی کہہ سکتا ہوں کہ اللہ کی نعمتوں کی نہ ہمیں حد معلوم ہے نہ تعداد معلوم ہے جب کہ ہم نہ گن سکتے ہیں اور نہ ہم اعادہ کر سکتے ہیں۔

بقول سعدی: "اگر سعدی جیسی ہوشیار نظر ہو تو ہر سانس کی آمد و شد میں دو نعمتیں موجود ہیں گویا جو سانس باہر آئے وہ ممد حیات ہے۔ اور جو اندر جائے وہ مفرح ذات ہے۔ لہٰذا جب ایک سانس میں دو دو نعمتیں ہیں تو کس میں دم ہے کہ نعمتیں گن گن کے بتائے"۔

کیوں پڑھے لکھو! کیوں سمجھ دار و!

دُنیا بھر کے علوم جاننے والو! یونیورسٹی کی ڈگریاں لینے والو!

بتاؤ! دُنیا میں آج تک کوئی ایسا حساب ایجاد ہُوا ہے جو بے گنتی کے ہو جائے۔؟ ہرگز نہیں۔

گویا حساب کی جڑ ہے گنتی۔ حساب کا اصل اصول ہے گنتی۔ البتہ جب کوئی حساب گنتی کے بغیر نہیں ہو سکتا اور خدا کی نعمت کو تو کوئی گن ہی نہیں سکتا تو پھر اس چیز کا جس کی گنتی نہیں، قیامت میں حساب کیسے ہوگا۔؟ حساب تو ان نعمتوں کا ہوگا جن کی تعداد مقرر ہے اور جن کی تعداد کا اندازہ ہی نہیں ہے اُن کا حساب کیسے ہوگا؟ بہر نوع یہ ایک جملہ معترضہ تھا جو میں نے کہہ دیا۔

بزرگانِ من!

اللہ اپنی نعمتوں کے تعارف میں فرماتا ہے۔ "مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ"
میں نے جہاں اور نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ ایک یہ نعمت بھی ہے کہ "میں نے دو
بحر جاری کر دیئے"۔

دیکھو نا! اب اگر سمندر ترجمہ کرتا ہوں تو سمندر جاری نہیں ہوتا
کیونکہ سمندر میں تو بہاؤ نہیں ہے۔ وہ تو اپنے علاقے میں ایک ٹھہری ہوئی
چیز ہے۔ مگر یہاں بحر چاہئیں۔ جن میں بہاؤ ہو۔ جو جاری بھی ہوتے ہوں۔
"مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ" دو بحر جاری کر دیئے۔ اور جاری کس شان سے کئے
اُن دو بحر کے جاری ہونے کا طریقہ کیا ہے؟ "يَلْتَقِيَانِ"

سامعین!

"يَلْتَقِيَانِ" مضارع کا صیغہ ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ دونوں
بحر جاری ہوتے ہوئے کہیں مل جاتے ہیں اور کہیں جُدا ہو جاتے ہیں۔
گویا نہ ہمیشہ جُدا بہتے ہیں اور نہ ہمیشہ مل کے بہتے ہیں۔ اور لُطف یہ ہے
کہ جب تک یہ دو بحر جُدا بہتے رہے بہتے رہے۔ اور جہاں مل گئے
"يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ"
"جہاں وہ دونوں بحر مل جاتے ہیں وہیں ان میں سے موتی نکل آتے ہیں"

بزرگانِ من!

اہل علم حضرات میں ان بحروں کی بہت تشریحیں کی گئی ہیں۔ بڑی بڑی اس کے
اندر روانیاں دکھائی گئی ہیں۔ بڑی بڑی آبدار باتیں کی گئی ہیں۔ علم کے بے شمار
دریا بہا دیئے ہیں۔ اِدھر شعراء اُٹھے تو اس بحر میں قصیدے کہہ دیئے۔ نثر خوان
اٹھے تو انہوں نے اس بحر کو نثر کے میدان میں پھیلا دیا۔ فخر الدین رازی اُٹھے تو
بحروں کا ترجمہ کرتے ہوئے چھ صفحے لکھ کر بھی راضی نہ ہوئے اور ایران کے علماء
نے ان بحروں کا ترجمہ قرات کر دیا۔ ہندوستان کے مولوی ثناء اللہ پانی پتی نے

گنگا اور جمنا کر دیا اور مصر میں پہنچا تو ترجمہ نیل ہو گیا اور بنگال میں پہنچا تو ترجمہ خلیج ہو گیا غرض جہاں جیسے لوگ تھے وہ ویسے ویسے ترجمے کرتے رہے اور کثرتِ ترجمہ اور کثرتِ تاویل سے بحرین کا خواب تعبیروں کی زیادتی سے منتشر ہو کے رہ گیا اور پتہ بھی نہ چل سکا کہ کیا ہوا۔

محترم و معظم سامعین!

اگر آپ تیار ہوں میری بات سننے کے لئے تو میں بھی آپ کو بحرین کی ایک بات سنا دوں۔؟

دیکھو نا! بحرین کی جہاں اور تفسیریں اور تاویلیں ہوئی ہیں وہاں معدن النبوت مخزن الرسالت کی زبان سے بھی کچھ ضرور نکلا ہے کہ بحرین کسے کہتے ہیں۔

صادق آل محمد صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہ، جہاں سے علم کے سرچشمے پھوٹتے ہیں۔ جہاں سے دنیا کو علم ملا ہے۔ جہاں سے کائنات نے علم سیکھا ہے۔ وہ بے پڑھے لکھے جنہوں نے دنیا کو پڑھایا۔ جنہوں نے مکتب کی شکل نہیں دیکھی اور جن کے مکتب نے دنیا کے مکتبِ فکر بلند کر دیئے۔ جن کا درس گاہ وہ نخلستان تھا کہ علم و ادب کی دھوپ سے تپتے ہوئے انسان جہاں جا کر پناہ لیا کرتے ہیں۔ ان سے کسی نے پوچھا "مولا" "بحرین" سے کیا مراد ہے؟۔ فرمایا "بحور الھدایت" یہ ہدایت کے سمندر ہیں۔

سامعین!

امام یہ کہہ کے خاموش ہو گئے۔ یہی امام کے کلام میں لطف ہے کہ ایک تھوڑی سی بات کہتے ہیں پھر آگے سمجھنے والے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

یاد رکھو سامعین! جس چیز کا نام ہدایت ہے۔ جس چیز کا نام ہدایت کا رستہ دکھانا ہے۔ یہ کام اللہ نے کبھی ایک سے نہیں لیا بلکہ ہمیشہ ہادی بیک وقت دو رہے گویا ہدایت ہمیشہ دو کرتے ہیں۔

دیکھو نا! آنکھ ہادی ہے اس لئے دو ہیں۔ کان ہادی ہیں دو ہیں۔ ہاتھ ہادی ہیں دو ہیں۔ اور زبان! چونکہ کبھی کبھی ہدایت میں جھوٹ بول جاتی ہے اس لئے ہادی نہیں بنایا۔ بلکہ اسے قابو میں رکھنے کے لئے سامنے بتیس دانتوں کا پہرہ لگا دیا گیا ہے اور ہونٹوں کا پھاٹک لگا کر دہن کے قفل میں بند کر دیا گیا ہے۔ اس لئے کہ یہ بڑی خطرناک چیز ہے۔ حالانکہ دیکھنے میں تو بڑی نازک ہے مگر بڑی شریر ہے۔ اگر کہیں گھر سے باہر نکل آئے تو فساد و لڑائی کروا دیتی ہے بہر نوع اللہ نے ہدایت کا کام اس کے سپرد نہیں کیا ورنہ زبان کو لگام دینا مشکل ہو جاتا۔ اسی طرح دل و دماغ دونوں مل کے ہدایت کا کام کرتے ہیں۔

غور فرمائیں صاحبان! آدمؑ ہادی نہ بنے جب تک شیثؑ ساتھ نہ ہوئے نوحؑ ہادی نہ بنے جب تک سام ساتھ نہ ہوئے۔ ابراہیمؑ ہادی نہ بنے جب تک اسماعیلؑ ساتھ نہ ہوئے۔ موسٰیؑ ہادی نہ بنے جب تک ہارونؑ ساتھ نہ ہوئے گویا جب تک دو نہ ہوں اللہ ہدایت کا کام سپرد نہیں فرماتا۔ آخر ہدایت کا یہ سلسلہ چلتے چلتے جب عیسٰیؑ تک پہنچا تو وہ اکیلے رہ گئے۔ اللہ نے کہا عیسٰیؑ! تم اکیلے ہو لہٰذا میں تم سے ہدایت کا کام نہیں لوں گا۔ بہتر ہے تم غائب ہو جاؤ چنانچہ عیسٰیؑ غائب ہو گئے۔ آخر میں محمد مصطفٰےؐ ہادی بنے تو علیؑ ساتھ ہو لئے۔ علیؑ ہادی بنے تو حسنؑ ساتھ ہیں۔ حسنؑ ہادی بنے تو حسینؑ ساتھ ہیں۔ یہاں تک کہ گیارواں ہادی ہے۔ بارہواں ساتھ ہے اور جب بارہواں اکیلا رہ گیا تو وہ غائب کر دیا گیا۔

اللہ نے کہا، تم اکیلے ہو اور اکیلے سے ہم ہدایت کا کام نہیں لیا کرتے لہٰذا تم غائب ہو جاؤ۔

سامعین! ادھر بارہواں اکیلا رہ گیا وہ غائب کر دیا گیا ادھر عیسٰیؑ اکیلا رہ گیا وہ غائب کر دیا گیا اور ہم بارہویں والے اور عیسٰیؑ والے دونوں اکٹھے بیٹھے ہیں کہ ہمارے غائب ہیں۔

اب عیسیٰؑ والے فخر یہ کہتے ہیں کہ ہمارا آسمان پر غائب ہے اور تمہارا زمین پر غائب ہے۔ لہٰذا ہمارا تمہارا کیا مقابلہ ہے کیونکہ ہمارے اور تمہارے غائبوں میں تو زمین و آسمان کا فرق ہے۔"

ہم کہتے ہیں:" بھئی! تم نے سوچا ہی نہیں۔ اللہ نے دونوں کو غائب کرتے وقت دونوں کی عزت کو عدل کی میزان میں تولا تھا۔ ایک کا پلہ آسمان پہ پہنچ گیا اور ایک کا زمین پہ۔ چونکہ یہ تو عزت تولی جارہی تھی لہٰذا وہ اکیلا وہاں غائب اور یہ اکیلا یہاں غائب۔ جب تک دونوں اکیلے رہیں گے غائب رہیں گے اور جب اللہ ان سے ہدایت کا کام لینا چاہے گا پھر ان دونوں کو ملا کر ڈو کر دے گا۔ کیونکہ جب تک ڈو نہ ہوں گے ہدایت کبھی ہو ہی نہیں سکتی۔ یہ اور بات ہے کہ زمین والا جائے گا یا آسمان والا آئے گا۔ یہ بات تو وقت بتائے گا۔ بہر نوع ڈو ہوں گے تو ہدایت ہوگی۔

سامعین!

لطف آجائے گا جب یہ زمین والا بھی آجائے گا اور آسمان والا بھی آجائیگا تمام دُنیا اکٹھی ہو جائے گی۔ خاص طور پر تمام مسلمان اکٹھے ہو جائیں گے اور عرض کریں گے "فرزندِ رسولؐ! نماز تو پڑھا دیں" مولا فرمائیں گے "اچھا یہ بات ہے۔ پھر صفیں باندھو" چنانچہ ہم صفیں باندھیں گے۔ قطاروں میں کھڑے ہو جائیں گے اور وہ آسمان والا بھی نماز پڑھنے کے لیئے زمین والے کے پیچھے کھڑا ہو جائے گا۔

حضور والا! اب اگر معترض یہ کہے کہ ایسا کیوں ہوا۔ کہ امام آگے ہیں اور نبیؑ پیچھے ہے؟ تو اس کا جواب میں نہیں دیتا۔ بلکہ آپ اپنی گورنمنٹ کے محکمہ مال سے پوچھلو۔ وہ یہ بتائیں گے کہ۔ مولوی صاحبان! تم کیوں خواہ مخواہ کے لیئے اُلجھ رہے ہو۔ دیکھو نا! یہ مسئلہ تو ہمارے سمجھانے کا ہے۔ نماز چونکہ اس نے پڑھائی ہے جو زمین پہ موجود ہے اور عیسیٰؑ زمین

چھوڑ کے بے دخل ہو گئے تھے۔ لہٰذا جو آدمی بے دخل ہو گیا ہو اسے دخیل کار کے ہوتے ہوئے زمین پر امامت کروانے کا کیا حق حاصل ہے۔

صاحبان!

اگر یہ نکتہ آپ کے ذہن میں آ گیا ہے کہ دو ہوں تو اللہ ہدایت کا کام لینا ہے۔ اب لفظ "بحرین" پر غور فرمائیں زیادہ دور سے ڈھونڈنے کی کوئی ضرورت نہیں بحرین کا مرکز منبع حضرت ابراہیمؑ سے جاری ہوا۔ حضرت ابراہیمؑ گویا بحرین کا نکتہ مرکزی ہیں۔ بحرین کا شجرہ ہیں۔ اور آپ حضرات کو یہ بات معلوم ہے کہ ابراہیمؑ کی پیدائش ملک عراق میں ہوئی۔ اور آپ کا بیٹا اسمٰعیلؑ بھی عراق ہی میں پیدا ہوئے۔ پھر ابراہیمؑ نے بحکم خدا مکہ میں خانہ کعبہ بنایا۔ اور جس راستے سے ابراہیمؑ اپنے بیٹے اسمٰعیلؑ اور اپنی بیوی ہاجرہ کو ساتھ لیکر عراق سے مکے آئے تھے۔ وہ راستہ پھر بالکل بند ہو گیا۔ پھر کوئی اور اس راستے پر نہ چل سکا۔ اس کے بعد ساڑھے تین ہزار سال بعد حسینؑ ابن علیؑ اسی راستے پر چل کر مکے سے کربلا تشریف لائے گویا ابراہیمؑ نے جس راستے کی سنگِ بنیاد رکھی تھی اُس پر حسینؑ چل کر آئے۔

ادھر اس واقعہ کو اقبال نے اپنے اس شعر میں نظم کیا ہے ؎

کتنی پُر سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم
نہایت ہے اسکی حسینؑ ابتداء ہے اسمٰعیلؑ

بہر نوع حضرت ابراہیمؑ منبع البحرین ہیں۔ ایک بحر بنی اسرائیل کہلائی اور ایک بحر بنی اسمٰعیل کہلائی۔ ایک اسحٰقؑ کی اولاد۔ ایک اسمٰعیلؑ کی اولاد۔ منبع ابراہیمی سے یہ دو بحریں دنیا میں جاری ہوئیں۔ بحر اسحٰقؑ مصر و شام وغیرہ کی وادیوں کو سیراب کرتا رہا اور بحر اسمٰعیلؑ عرب کے ریگستان کو سیراب کرتا رہا۔ بحر اسحٰقؑ جو مصر و شام کو سیراب کرتا تھا۔ کہیں اُس کی شاخیں بنیں کہیں اکٹھا ہوا۔ یہاں تک کہ اُس کی دو شاخیں ہو گئیں۔ ایک موسٰیؑ کی شاخ ایک شعیبؑ کی شاخ۔ پھر اللہ نے موسٰیؑ اور شعیبؑ کو ملا کے "یلتقیان"

کر دیا۔ اور ملایا کس شان سے کہ ایک کے گھر لڑکی پیدا کر دی اور ایک کے گھر لڑکا پیدا کر دیا۔

سامعین!

اللہ جب دو کو ملاتا ہے یا یَلْتَقِیَان کرتا ہے تو یہ سنت الٰہی ہے کہ ان دونوں میں سے ایک کے گھر لڑکی پیدا کرتا ہے اور ایک کے گھر اس کی شادی کرا دیتا ہے۔ اور جس شاخ کو روکنا ہو وہاں لڑکی پیدا ہوتی ہے اور جس شاخ کو آگے چلانا ہو وہاں شادی ہو جاتی ہے۔ گویا قدرت کا یہ قانون ہے چنانچہ اللہ نے شاخ شعیبؑ کو روکنا تھا وہاں لڑکی پیدا کر دی اور موسٰیؑ کی شاخ کو چلانا تھا وہاں شادی کر دی۔ یہ "یَلْتَقِیَان" ہو گیا۔

حضور والا! یہ "یَلْتَقِیَان" پھر چلتا رہا۔ آگے جا کے پھر جدا ہو گیا پھر ملا دیا۔ پھر جدا ہو گیا۔ اسی طرح اسحٰقؑ کی نسل میں چلتا رہا۔ اسمٰعیلؑ کا سلسلہ اپنی جگہ چلتا رہا اور اسحٰقؑ کا سلسلہ اپنی جگہ چلتا رہا۔ آخر میں جدا ہو گیا۔ نسلِ اسمٰعیلؑ کی ایک شاخ عبداللہؓ کی طرف پہنچی اور ایک شاخ ابی طالبؓ کی طرف پہنچی۔ ابوطالبؓ کے گھر لڑکا پیدا ہوا۔ عبداللہ کے گھر جو لڑکا پیدا کیا اُسے بحرِ نبوت بنایا اور ایسی بحر بنایا نبوت ہی کہ آگے نبوت ختم ہو گئی۔

بزرگانِ من!

بات سے بات نکلتی ہے۔ اور دائرہ گفتگو بڑھتا جاتا ہے۔ دیکھو نا! اب ایک آم کا درخت ایک شخص کو پسند آ گیا: "واہ۔ واہ۔ یہ آم بڑا اچھا ہے۔ پتلا رس ہے۔ صوف بالکل نہیں۔ انتہائی میٹھا ہے۔ سواد آ گیا۔ جی چاہتا ہے آم کبھی ختم نہ ہو۔" چنانچہ آم کھایا اور گٹھلی زمین میں ڈال دی۔ کچھ عرصہ بعد نیا آم ہو گیا۔ پھر کھایا۔ اور گٹھلی زمین میں ڈال دی اور نیا آم ہو گیا۔ یہاں تک کہ چلتے چلتے ایک وقت ایسا آ جاتا ہے کہ آم کے درخت سے آم آنے بند ہو جاتے ہیں گویا آم بوڑھا ہو گیا۔ بڑا افسوس ہوا۔ درخت بہترین تھا۔ میٹھے

آم تھے ۔ اَب گٹھلی کہاں سے آئے گی ——— مگر جاننے والے جانتے ہیں کہ آم کا وجود اب بھی ہم باقی رکھ سکتے ہیں ۔ کیسے ؟ کہ اَب اس کی گٹھلی کا انتظار نہ کرو بلکہ جو آم "بلا فصل" ہوگیا ہے اُسے باقی رکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کی جنس کا آم کا ایک پودا گملے میں اپنے گھر اُگا ڈ اور جب تمہارے گھر میں اُگا ہُوا آم کا پوَدا ذرا سا بڑا ہو جائے تو اُسے ختم ہونے والے دَرخت کے نیچے رکھ دو ۔ اُس کی آب وہوا میں پل کے جب ذرا تر وتازہ ہو جائے تو اسکی ایک شاخ اس کے ساتھ قلم بند کر دو جب قلم بند ہو کے یک جان ہو جائیں ۔ تو شاخ دَرخت سے اتار دینا ۔ اب یہ پودا اس شاخ کو لے کر اپنے گھر آ جائے گا ۔ لیجئے نیا دَرخت تیار ہو جائیگا ۔

سامعین !

ختم ہونے والے آم کو باقی رکھنے کا یہی طریقہ ہے ۔ بس "بحرین" میں بھی اللہ نے ایسا ہی کیا ۔ ایک پیدا کر دیا عبدُاللہ کے گھر ۔ اور ایک پیدا کر دیا ابو طالبؑ کے گھر ۔ عبداللہ کے گھر پیدا کیا محمّد کو ۔ جو شجرہ نبوت کا آم تھا ۔ یہاں آکر سوا لاکھ فصلیں دے کر ختم ہو گیا ۔

اَب اللہ اس دَرخت کو باقی رکھنا چاہتا ہے ۔ اور باقی رکھنے کا طریقہ وہی رکھا جس جنس کا شجر نبوت تھا اُسی جنس کا ایک پودا اللہ نے اپنے گھر اُگایا ۔ مگر پودا ذرا زور دار تھا اُگتے وقت گملے میں ذرا شگاف آ گیا ۔ بہر نوع اللہ نے یہ پودا اپنے گھر اُگایا ۔ جب پودا ذرا ترقی کر گیا تو ختم ہونے والے شجر نبوت کے نیچے رکھ دیا اور اس کی ایک ہری بھری شاخ اس پودے سے قلم بند کر دی ۔ قلم بند ہونے کے بعد وہ پودا اپنے گھر آ گیا ۔ اس طرح ختم ہونے والا ہمیشہ کے لئے قائم ہو گیا ۔ گویا یوں "یَلتَقِیَان" ہوا ۔

بزرگوارِ محترم !

حضور سیدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا ہی ختم ہونے والے شجرہ نبوت کی

وہ ہری بھری شاخ ہے کہ اُس کی جنس سے قلم بند ہو کر نبوت کے شجرہ کو قیامت
تک قائم رکھا۔ اور علیؑ اسی جنس کا پودا ہے گویا دونوں کی ایک ہی جنس ہیں۔
اسی بات کو دیکھ کر رسولؐ کہا کرتے تھے ”اگر علیؑ نہ ہوتے تو میری بیٹی فاطمہؑ
کی شادی نہ ہوتی“۔ گویا ہم جنس پودا نہ ہو تو قلم بندی نہیں ہوتی اور اگر
ہم جنس ہو تو قلم بندی ہوتی ہے۔ بہر نوع سیّدہؑ۔ علیؑ کے گھر آگئیں۔ نیا
شجر تیار ہو گیا۔ اب اس نئے شجر نے نئے انداز سے ہدایت شروع کر دی۔
بحرین کا اجتماع تھا اور اس نئے انداز سے ہدایت ہو رہی تھی۔ مردوں کی
ہدایت باہر ہوتی رہی اور عورتوں کی ہدایت اندر ہوتی رہی۔ باہر کی ہدایت
سے سلمانؓ و قنبرؓ تیار ہوئے اور اندر کی ہدایت سے فضہ تیار ہوتی رہیں۔
ادھر سلمانؓ اتنے تیار ہوئے کہ رسولؐ نے منّا اھل البیت کہا۔ ادھر ابوذرؓ
اتنے تیار ہوئے کہ اسے کہا کہ یہ اَصْدَقُ النّاس ہے۔ اور قنبرؓ ایسا تیار
ہوا کہ علیؑ نے پیار میں بیٹا کہہ دیا۔ مگر فضہ کی تیاری عجیب شان کی تھی۔ گویا
بحرین کے منہ سے موتی نکل رہے تھے۔ فضہ اس طرح تیار ہوئیں کہ ایک
دن رسولؐ پوچھ بیٹھے! ”فضہ! کہو کیسا حال ہے؟“ فضہ نے عرض کی:
قبلہ! کیا حال بتاؤں۔ میرا حال تو یہ ہے کہ مجھ سے بہتر حال کسی کا نہیں ہے،
رسولؐ نے پوچھا۔ ”فضہ! کیا بہتری دیکھی تو نے“؟
عرض کی ”قبلہ اس سے بہتر بھی کوئی بات ہو سکتی ہے کہ فاطمہؑ
مجھے ”بہن“ کہتی ہیں۔ اور میری خوشی میرے دل سے پوچھو! جب
میں صبح کو سوتی اٹھتی ہوں تو حسنینؑ ”اماں“ کہہ کے سلام کرتے
ہیں۔ زینبؑ مجھے ماں کہہ کے سلام کرتی ہے۔ اس سے زیادہ
مجھے کیا عزت چاہیے“

معزز سامعین!

جناب سیّدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا جن کا نام لینے سے پہلے کانوں کی بھی

بھی وضو ہونی چاہیئے ۔ اور زبان کی بھی ۔ عصمت کا معدن سیّدہ ۔ طہارت کا معدن سیّدہ ۔ اگر امامت و نبوت کو عصمت ملی تو سیّدہ کے صدقہ سے ۔ سیّدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا روئے زمین کی عورتوں کے لیئے نمونہ بن گئی کہ باپ کی خدمت کس طرح کی جاتی ہے ۔

حضور والا ! ایک دن رسالتمآب صحن مکہ میں خانہ کعبہ کے سامنے نماز میں مشغول تھے کہ ابوجہل ، عتبہ ، عتیبہ (ابولہب کے بیٹے) اور قریش کے بڑے سرکش نوجوان اکٹھے ہو کے آئے اور انہوں نے اونٹ کی الائش سجدے میں رسولؐ کی کمر پر رکھ دی ۔ اُدھر انہوں نے یہ عمل کیا اِدھر سیّدہ گھر سے باہر نکل آئیں ۔ اس وقت سیّدہ تقریباً تین سال کی تھیں ۔ اب جو سیّدہ کو انہوں نے آتے دیکھا تو یہ سارے کے سارے سرداران قریش کہتے ہیں کہ محمدؐ کے اوپر پڑی ہوئی یہ غلاظت جلدی جلدی اٹھا لو کہیں خدیجہؓ کی بیٹی نہ دیکھ لے ۔ اگر اس نے دیکھ لیا تو ماں کو جا کر بتائے گی پھر ہم خدیجہؓ کو کیا منہ دکھائیں گے ؟

سامعین !

یہ ایک تاریخی واقعہ ہے جسے پڑھ کر عقل حیران ہوتی ہے کہ جو عتبہ اور عتیبہ خدیجہؓ کی تین سالہ بیٹی کا اتنا احترام کریں کہ رسولؐ کی کمر پہ رکھی ہوئی غلاظت ہٹا لیں تو پھر اُسی عتبہ اور عتیبہ نے خدیجہؓ کی بڑی بیٹیوں کو کیوں طلاق دے دی ؟ یا تو یہ تاریخ جھوٹی ہے یا پھر وہ بیٹیاں نہیں تھیں ــــــــــ بہر نوع سیّدہ طاہرہ نے باپؐ کی خدمت کر کے دُنیا کو یہ بتا دیا ۔ کہ دُنیا کی عورتو ! باپ کی خدمت یوں کرنا ۔ یہ سیّدہ طاہرہ کا دیا ہوا سبق ہے کہ آج دنیا کا ہر انسان کا کلیجہ خوشی سے اُچھلنے لگتا ہے ۔ دل باغ باغ ہو جاتا ہے جب بیٹی باپ کے گلے میں ہاتھ ڈال کے کہتی ہے ، ابا جان ، گویا اتنا پیار کسی اور بات میں آتا ہی نہیں جتنا بیٹی کے " ابا " کہنے میں پیار آتا ہے ۔

جناب موسٰی نے بھی اللہ سے یہی دُعا کی تھی ۔

"خداوندا! میں تجھ سے دنیا کی سب سے بڑی نعمت مانگتا ہوں

کہ تو مجھے بیٹی عطا فرما"

اللہ نے پوچھ لیا "موسیٰ! بیٹی کیوں مانگتا ہے"؟

فرمایا:- "خداوندا اگر میرے پاس بیٹی ہو گی، تو میرے جنازے کی رونق ہو جائے گی"

خداوندا! "بیٹا بے شک صحن کی رونق ہے مگر بیٹی جنازے کی رونق ہے۔

بیٹی کے رونے سے باپ کا جنازہ سج جاتا ہے"

بہرحال سیدہ طاہرہ نے اپنے عمل سے دنیا کو بتا دیا کہ باپ کی خدمت یوں کرو۔ پھر اسی سیدہ نے دنیا کو سمجھایا کہ شوہر کی اطاعت یوں کرو۔

بھائیو!

آپ کو وہ واقعہ یاد ہو گا کہ جب سیدہ کے فاتح خیبر شوہر نے خیبر فتح کیا ہے اس دن خیبر میں دو ہزار سال کا یہودیوں کا مال اکٹھا تھا۔ گویا خیبر دنیا کی مالدار قوم کا مالی مرکز تھا۔ جب قلعہ خیبر علیؑ کے ہاتھ سے فتح ہوا تو مسلمانوں نے اس مال غنیمت کو لوٹا۔ مال غنیمت کا اندازہ آپ اس بات سے لگائیں کہ علاوہ پارچات کے، علاوہ جانوروں کے، علاوہ زیورات کے، خالص سونا جو ڈلیوں کی شکل میں تھا۔ ہر مسلمان کے حصہ میں چوبیس ۲۴ چوبیس ۲۴ سیر آیا۔ جو مسلمان اپنی عباؤں کے ساتھ باندھ کر لوٹے۔ اور لا کے وہ گٹھڑیاں اپنے صحن میں ڈال دیں۔ تو اُن کی بیویوں اور بچوں نے اس دن فتح خیبر کے دن کی عید منائی۔ اس دن پلاؤ۔ زردے پکے کیونکہ عربوں کے گھر سونا آ گیا تھا۔ یہ ایک تاریخی فقرہ ہے کہ فتح خیبر کے بعد عربوں کے بچے مدینہ کی گلیوں میں سونے کی ڈلیوں سے کھیل رہے تھے۔ اور دعا کر رہے تھے۔

"فاتح خیبرؑ! خدا تیرے بچوں کی خیر کرے۔ تیرے صدقے میں آج ہمارے گھروں میں پلاؤ زردے پکتے ہیں"

سامعین!

جب ہر مسلمان خاتون اپنے گھر کے دروازے پہ اپنے شوہر کے استقبال کے لئے کھڑی تھی اور شوہر سونے کی گٹھڑیاں لا رہے تھے۔ تو فاتح خیبر کی بیوی بھی رسم عرب کے مطابق بچوں کی انگلیاں پکڑے ہوئے دروازے پہ کھڑی تھی۔ اور بچوں سے کہہ رہی تھی: "تمہارے آبا ابھی آتے ہوں گے" تھوڑی دیر بعد بچوں کو دور سے باپ آتے نظر آئے۔ بچوں نے کہا "اماں! وہ آبا آ گئے" بی بی نے فرمایا "ہاں" —— اتنے میں رسولؐ آ گئے۔ رسولؐ نے دروازے پہ کھڑے ہو کر کہا۔

فاطمہؑ بیٹا! مبارک۔ تیرے شوہر کو اللہ نے فاتح خیبر بنایا ہے"
سیدہؑ باپ کے سامنے کیا کہتی۔ شرما کے سر جھکا لیا۔

جب باپ آگے بڑھ گئے تو سیدہؑ نے فوراً اپنا سر سجدے میں رکھ دیا۔
"یا اللہ! تیرا شکر ہے۔ تو نے مجھے کتنا عظیم شوہر عطا فرمایا"
اب جو سیدہؑ نے سجدے سے سر اٹھایا تو سامنے سے شوہر آتے ہوئے نظر آئے بچوں نے بڑھ کر باپ کا استقبال کیا۔ سیدہ نے سلام کیا۔ علیؑ مسکرا رہے ہیں۔ گھر میں اندر تشریف لائے۔ علیؑ کے پیروں پہ پڑی ہوئی مٹی سیدہؑ نے اپنی چادر سے صاف کی۔ اب سیدہ نے دیکھا کہ علیؑ خالی ہاتھ ہیں۔ خیال کیا کہ پیچھے خچر وغیرہ پہ لدا ہوا سامان آ رہا ہو گا۔ خاموش رہیں۔ بچے بھی کھڑے علیؑ کا منہ تک رہے تھے۔ آخر تھوڑی دیر بعد سیدہؑ نے بڑے ہی متانت سے پوچھا۔

"حسینؑ کے آبا! بچے یہ پوچھتے ہیں کہ خیبر کے مال غنیمت سے آپ کو کیا ملا۔؟

بس بھائیو! سیدہؑ کا یہ پوچھنا تھا کہ فاتح خیبر تھر تھر کانپنے لگا۔
اب بتاؤ! علیؑ کی وہ تصویر زیادہ خوبصورت تھی جب خیبر فتح کیا تھا۔ یا یہ تصویر زیادہ حسین ہے جو تھر تھر کانپ رہا ہے۔ سر جھکا ہوا ہے۔ رنگ زرد ہو

گیا ہے اور کہہ رہا ہے۔

"محمدؐ کی بیٹی! اپنے باپ کے صدقہ میں مجھے معاف کر۔ حصہ تو مجھے سب سے دوگنا ملا تھا مگر تیرے باپ کی سلامتی کی خاطر راہ خدا میں سب بانٹ کے خالی ہاتھ گھر آگیا ہوں"

گویا جس دن عرب کے ہر گھر میں پلاؤ پکتے تھے۔ فاتح خیبر کے بچے اس رات بھی فاقے سے سوئے تھے اور سیّدہ نے وہ ساری رات عبادت میں بسر کی تھی اور ہزاروں مرتبہ اللہ کا شکر ادا کیا۔

"خداوندا! تیرا شکر ہے تو نے مجھے کتنا عظیم و کریم شوہر عطا فرمایا"

بہر نوع سیّدہ نے اپنے عمل سے دنیا کو بتا دیا کہ شوہر کی اطاعت یوں کرنا اور رہ گئی بچوں کی تربیت تو جناب سیّدہ کی گود میں پلے ہوئے بچے عالم کے مصلح اعظم بن گئے۔ دنیا کے رہبر اعظم بن گئے۔

سامعین!

ہماری مائیں تو بچوں کو یہ کہہ کر سُلاتی ہیں:۔

"میرا بچہ بڑا ہو کر افسر بنے گا۔ حاکم بنے گا" مگر سیّدہ یہ کہہ کر سُلایا کرتی تھیں "میرا بچہ اللہ کی راہ میں قربانی دے گا۔ میرا بچہ خدا کی راہ میں سر دے گا"

گویا سیّدہ نے بچوں کو اس شان سے پالا تھا۔ سیّدہ کا احسان تمام دنیا پر ہے کہ اس نے باپ کی خدمت بھی سکھا دی، شوہر کی اطاعت بھی سکھا دی۔ اور بچوں کی تربیت بھی سکھا دی۔

مگر ایک شے ایسی رہ گئی جو ہمیں سیّدہ نہ سکھا سکی۔ باپ کی خدمت سکھا دی شوہر کی اطاعت سکھا دی اور بچوں کی تربیت سکھا دی مگر ایک ایسی شے ہے جو سیّدہ ہمیں نہ سکھا سکی اور وہ ہے "بھائی سے محبت" اور وہ اس لئے کہ سیّدہ کا کوئی بھائی نہیں تھا۔ چنانچہ سیّدہ نے عرض کی۔

"خداوندا! میں دنیا کو کیسے بتاؤں کہ بھائی سے محبت کس طرح کرو؟

اللہ نے کہا، "فاطمہؑ! فکر نہ کر۔ میں تجھے بیٹی عطا کرتا ہوں۔ وہ دنیا کو بتا دے گی کہ بھائی سے محبت کس طرح کی جاتی ہے"۔

چنانچہ سیدہ کے گھر بیٹی پیدا ہوئی اور حسبِ دستورِ زمانہ ماں کو بیٹے سے زیادہ پیار ہوتا ہے اور باپ کو بیٹی سے زیادہ پیار ہوتا ہے چنانچہ جب بیٹی پیدا ہوئی تو علیؑ اپنی گود میں اٹھائے رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔ عرض کی "قبلہ! خدا نے یہ رحمت مجھے عطا فرمائی ہے"۔

رسولؐ نے بیٹی کا چہرہ دیکھا۔ پھر علیؑ کا چہرہ دیکھا اور دونوں چہرے ملا کے کہا۔

"یا علیؑ! یہ بچی "زین اَب" ہے۔

"اپنے باپ کی زینت ہے"۔

گویا زینبؑ اپنے باپ کے اتنی مشابہ تھی۔ رسولؐ کی بات سُنکر علیؑ نے سر اُٹھایا۔ دیکھا۔ کہ رسولؐ کی آنکھوں میں موٹے موٹے دو آنسو تھے۔

علیؑ نے پوچھا، "قبلہ! رو کیوں رہے ہو؟"

رسولؐ نے فرمایا، "یا علیؑ! کوئی بات نہیں"۔ "ذرا یہ بچی میری گود میں دو"

رسولؐ نے بچی گود میں لے لی اور علیؑ کھڑے دیکھ رہے ہیں کہ رسولؐ نوزائیدہ بچی کے کبھی بال چومتے ہیں۔ کبھی کلائیاں چومتے ہیں۔ کبھی بازو چومتے ہیں۔ کبھی سینے سے لگاتے ہیں۔ بہر نوع اس شان سے شہزادی کی پرورش ہو رہی تھی۔ علیؑ سینے پہ سُلاتے تھے۔ جب علیؑ گھر میں آتے تو زینبؑ دوڑ کے باپ کے گلے سے لپٹ جاتی اور کہتی "آبا جان" ــــــ علیؑ کو اتنا فخر محسوس ہوتا تھا۔ وہ ابوالحسنؑ کہلانے میں اتنا فخر نہیں کرتے تھے۔ ابوالحسینؑ کہلانے میں اتنا فخر نہیں کرتے تھے۔ جتنا "ابو زینبؑ" کہلانے میں خوش ہوتے تھے۔

اوّل وقت فجر کے بعد زینبؑ کو اُٹھاتے اور فرماتے "بیٹی اٹھو کے بیٹھو"

بچی پوچھتی "ابا حضور! کیا حکم ہے؟"
مولا فرماتے "بیٹا! گھر کے صحن میں ذرا ٹہلو تاکہ تمہیں چلنے کی عادت پڑ جائے:
میرے لعل! بچپن سے پیدل چلنے کی عادت ڈالو شاید کبھی کہیں چلنا پڑ جائے"
گویا اس شان سے جناب زینبؑ کی تربیت ہو رہی تھی۔ جب بی بی جوان ہوئیں تو مولا نے عبداللہ ابن جعفر طیار سے شادی کر دی۔ عقد میں یہ شرط لگائی کہ "عبداللہ! تم میرے اپنے بیٹے ہو۔ سگا بھتیجا بیٹا ہوتا ہے۔ تم میرے اپنے بیٹے ہو۔ میں زینبؑ جیسی محترم بیٹی تمہارے عقد میں دے رہا ہوں۔ مگر شرط یہ ہے کہ اگر زینبؑ کسی سفر میں جانا چاہے تو روکنا نہیں"
عبداللہ نے عرض کی "مولا! میری کیا مجال جو میں زینبؑ کو روکوں"
بہر نوع جناب زینبؑ کی عبداللہ سے شادی ہو گئی۔ خدا نے پہلی اولاد ایک بیٹی عطا فرمائی جن کا نام تھا کلثومؑ۔ پھر خدا نے دو بیٹے عطا فرمائے۔ وقت آہستہ آہستہ گذرتا گیا اور شہزادے سیانے ہوتے گئے اور وہ وقت بھی آ گیا جو شرط علیؑ نے لگائی تھی کہ زینبؑ سفر میں جائے تو روکنا نہیں" چنانچہ زینبؑ کے سفر کرنے کا وقت آ گیا۔

میرے سامعین!
حسینؑ کے ساتھ زینبؑ مدینہ سے روانہ ہوئیں مکہ میں قیام ہوا۔ بعد میں عبداللہ بھی بچوں کو لیکر مکہ میں تشریف لائے۔ حج سے ایک دن پہلے حسینؑ مکہ چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ رات کو یہی عبداللہ جو حسینؑ کے بہنوئی تھے اور محمد حنفیہؑ جو بھائی تھے حسینؑ کے پاس بیٹھے کہہ رہے ہیں۔
حسینؑ! ہمارا جی کہہ رہا ہے کہ تم نہ جاؤ۔
امام فرماتے ہیں "بھائیو! رات میں نے اپنے نانا کو خواب میں

دیکھا ہے۔ وہ میرے انتظار میں ہیں۔ میں نے جانا ہے۔
سب سمجھ گئے کہ حسینؑ اب ضرور جائیں گے۔ چنانچہ خاموش ہو گئے۔
ایک روایت میں ہے کہ جب مولاؑ نے فرمایا کہ بھائیو! مجھے جانے دو
تو جناب عبداللہ نے کہا۔ "حسینؑ! اگر گستاخی نہ ہوتی تو میں تیری
پیشانی کے بال پکڑ کے بیٹھ جاتا اور تجھے جانے نہ دیتا مگر کیا کروں حسینؑ!
میں مجبور ہوں۔ میں امامت کے اُن رازوں کو نہیں سمجھتا جنھیں تو سمجھ
رہا ہے۔ اچھا حسینؑ! خدا حافظ۔ جاؤ"
دوسرے دن صبح کے وقت حسینؑ ایک ایک کے گلے مل کے روانہ ہو گئے
جب مکے سے تین میل باہر یہ قافلہ پہنچا تو حسینؑ کے کانوں میں ایک آواز آئی
"حسینؑ! ذرا ٹھہرو"
آپ نے گھوڑے کی باگ روک لی۔ حکم دیا۔ "عباسؑ بھائی! دیکھو
یہ کون ہے؟ قمر بنی ہاشم نے مڑ کے دیکھا۔ عرض کی۔
"مولاؑ! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہؓ آ رہے ہیں"
چنانچہ سب گھوڑوں سے اُتر آئے۔ اتنے میں عبداللہؓ آ گئے۔ سخت بخار۔
ایک ہاتھ محمدؑ کے کندھے پر۔ ایک ہاتھ عونؑ کے کندھے پر۔ عبداللہ فرماتے ہیں۔
"عونؑ و محمدؑ! مجھے حسینؑ کے پاس لے چلو"
چنانچہ عبداللہ حسینؑ کے پاس آئے اور حسینؑ گھوڑے سے اُترے اور فرمایا
"عبداللہؓ! آپ نے بڑی تکلیف فرمائی۔ میں تو آپ سے مل کے آیا تھا۔ پھر
آپ نے کیوں زحمت فرمائی"؟
"حسینؑ! جی چاہا ایک بار اور تجھے جی بھر کے دیکھ لوں۔ حسینؑ! تو
جا رہا ہے۔ اب تجھے کہاں تلاش کروں گا"؟
عبداللہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ گلے ملے۔ بڑی دیر تک ملے رہے۔ اسکے
بعد عبداللہ نے اپنوں بیٹوں سے کہا۔

"عونؑ و محمدؑ! مجھے اس ناقے کے قریب لے چلو جس ناقے پہ تمہاری اماں سوار ہے"!

عبداللہ پہنچے چوب محمل سے سر لگا کے کھڑے ہو گئے اور کہتے ہیں

"علیؑ کی بیٹی! جا رہی ہو؟"

زینبؑ نے محمل سے آواز دی "یا ابن العم" اے میرے چچا کے بیٹے! تو شوہر ہے۔ میں تیری محکومہ ہوں۔ اگر حکم دے تو اتر آؤں مگر یہ سن لے کہ ادھر تو نے اترنے کا حکم دیا ادھر میری روح نکل جائے گی۔ میں زندہ نہیں رہوں گی"! عبداللہ نے جواب دیا "نہیں زینبؑ! میں تمہیں روکنے نہیں آیا۔ ضرور جاؤ۔ بلکہ میں تو یہ کہنے آیا ہوں زینبؑ!

"حسینؑ جیسی قیمتی شے تمہارے ساتھ ہے —— اور پردیس کا معاملہ ہے۔ ممکن ہے راستے میں کوئی مصیبت پڑ جائے اور حسینؑ کی جان بچانے کے لئے صدقہ دینا پڑے۔ چونکہ تم خالی ہاتھ جا رہی ہو لہٰذا تمہارے لئے صدقے کا انتظام کر کے لایا ہوں"!

یہ کہکر عبداللہ نے عونؑ کا ہاتھ زینبؑ کے ہاتھ میں دے دیا۔

"زینبؑ! اسے اپنی طرف سے حسینؑ پر صدقہ کر دینا"! اس کے بعد محمدؑ کا ہاتھ بھی زینبؑ کے ہاتھ میں دے دیا اور فرمایا۔

"زینبؑ! اسے میری طرف سے حسینؑ پر صدقہ کر دینا"!

حضور والا! زینبؑ نے دونوں بچوں کو سر سے پیر تک دیکھا ساتھ بٹھا لیا۔ اگر زینبؑ سفر میں ہے تو یہ بچے بھی ساتھ ہیں۔ زینبؑ نے کربلا تک اپنے بچوں کو عونؑ و محمدؑ کہہ کے نہیں پکارا۔ بلکہ جب پکارا یہی کہہ کے پکارا "میرے حسینؑ کے صدقے کو بلاؤ"

سامعین کرام!

شب عاشور سید الشہداؑ عبادتِ خداوندی میں مشغول ہیں۔ فضہ

تشریف لائی عرض کی۔ "مولاؑ! بہن نے بُلایا ہے"
امامؑ اسی طرح اُٹھ کے بیت الشرف میں تشریف لائے۔ صحن میں زینبؑ نے استقبال کیا اور حسینؑ نے دیکھا کہ زینبؑ نے عونؑ و محمدؑ کو جنگی لباس پہنا رکھا ہے۔ کمر میں تلواریں باندھ رکھی ہیں، سر پہ عمامے باندھ رکھے ہیں۔ اور زینبؑ نے جنگی لباس کے اوپر بچوں کو کفن پہنا رکھا ہے۔
حسینؑ نے کہا "بہن! فرمایئے۔ میں آگیا ہوں۔ کیا حکم ہے؟"
حسینؑ! بہن بھائی کی باتیں تو ہوتی رہیں گی۔ مگر آج میں نے تجھے بحیثیت بہن کے نہیں بلایا۔ آج جعفرؑ طیار کی بہو نے حیدرؑ کرار کے بیٹے کو بلایا ہے"
حسینؑ فرماتے ہیں "کہو زینبؑ! کیا بات ہے؟"
بی بی فرماتی ہے "حسینؑ!
"جعفر طیار کی بہو حیدرؑ کرار کے بیٹے سے جعفرؑ کے پوتوں کی شہادت کی بھیک مانگ رہی ہے۔ لہٰذا زینبؑ کی خوشی یہ ہے کہ کل سب سے پہلے ان کی لاشیں آئیں۔ چونکہ بچے ہیں اس لئے مجھے ڈر ہے کہ کہیں ڈر نہ جائیں"
امامؑ نے دونوں شہزادوں کے سر پہ ہاتھ پھیرا۔ گویا منظور کر لیا یوم عاشور جب ہر شہید کی لاش آتی رہی تو زینبؑ پوچھتی "عونؑ و محمدؑ ابھی زندہ ہیں"؟
تھوڑی دیر بعد شہزادے گھر میں آگئے۔ ماں کو سلام کیا۔
"اماں! سلام"
بی بی نے پوچھا "بیٹا! ابھی تم زندہ ہو؟"
بچوں نے کہا "اماں! ہم مرنے کی اجازت لینے آئے ہیں"

کے لاشہ پر پہنچی ۔ اصغرؑ کی ماں اصغرؑ کی قبر تلاش کر رہی ہے ۔ اکبرؑ کی ماں اکبرؑ کی لاش پر بیٹھی ہے قاسمؑ کی ماں قاسمؑ کی لاش پر نوحہ کناں ہے ۔ غرض ہر خاتون اپنے اپنے وارث کے لاشے پہ الوداعی ماتم کر رہی ہے ۔

اس وقت یزیدؔ کی فوج کے سپاہیوں نے دیکھا کہ دو لاشیں ایک طرف پڑی ہیں جن پہ کوئی خاتون نہیں رو رہی ۔ تو ان سپاہیوں نے امام زین العابدینؑ سے کہا ۔

"قبلہ ! ہم ہیں تو دشمن مگر آخر انسان ہیں ۔ ہمارا دل بھر آیا ۔ کیا ان دونوں بچوں کا کوئی وارث نہیں ہے ۔ کیا انہیں رونے والا کوئی نہیں ہے" ؟

امامؑ اٹھے ۔ دونوں بھائیوں کو گود میں اٹھا لیا ۔ اب جو امام زین العابدینؑ نے عونؑ و محمدؑ کے لاشوں کو گود میں اٹھایا تو زینبؑ نے وہیں سے آواز دی

"بیٹا زین العابدینؑ ! یہ تم کیا کر رہے ہو ؟ —— کیا تمہیں پتہ نہیں کہ صدقہ ہم پہ حرام ہے ۔ بیٹا ! یہ میں نے تیرے باپ پہ صدقہ کر دیئے ہیں ۔ لہٰذا انہیں ہاتھ مت لگاؤ" ۔

بس بھائیو ! —— آج ہم سب ، بوڑھے ۔ جوان بچے مل کر ان بچوں کو رو رہے ہیں ۔ جن بچوں کی ماں نہ روئی ۔ اور خواتین ! —— تم بھی ایک دفعہ کہہ دو

"ہائے زینبؑ "

بی بی زینبؑ ! تیرے بچوں کو تیری کنیزیں رو رہی ہیں ۔ ہماری بچیاں روئیں گی ۔ ہمارے بچے روئیں گے ۔ اور ہم قیامت تک روتی رہیں گی ۔

اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

زینبؑ نے فرمایا "شاباش۔ جاؤ میرے بچو۔ خدا حافظ"

زینبؑ نے دروازے تک شہزادوں کو رخصت کیا۔ اور ایک فقرہ کہا۔
جس نے حسینؑ جیسے صابر انسان کو رُلا دیا۔

"بچو! ایسا جہاد کرنا کہ دشمن کی فوج یہ کہہ اُٹھے کہ یہ جعفر طیار کے پوتے ہیں۔
جاؤ تمہیں جنت مبارک ہو۔"

بہر نوع شہزادے میدان جنگ میں تشریف لائے۔ جعفر طیار کے پوتوں نے جہاد شروع کر دیا۔ دس بیس منٹ کے بعد باجے بجنے لگے۔ لاش آنے لگیں۔ عورتوں نے گھر میں رونا شروع کر دیا۔ ادھر زینبؑ دروازے پہ کھڑی ہیں اور فرماتی ہیں۔

بی بیو! "روؤ نہیں بلکہ خوشی مناؤ۔ کیونکہ میرے بچوں کی برات آ رہی ہے"

یہاں انیس مرحوم کا ایک شعر سناتا ہوں کہ زینبؑ نے ان بی بیوں سے کہا

؎ باجے والوں کی صدا زیرِ قنات آتی ہے
کیسے لاشے، میرے بچوں کی برات آتی ہے

بہر نوع تھوڑی دیر بعد امامؑ لاشے لے آئے۔ خیمے کے صحن میں لٹا دیئے۔ بڑے بچے کا دم نکل چکا تھا۔ چھوٹے میں دم باقی تھا۔
امامؑ نے فرمایا "زینبؑ! ایک دفعہ انہیں سینے سے لگا لے؟"

صاحبان!

ماں کی مامتا بھی تھی اور امامؑ کا فرمان بھی تھا۔ زینبؑ نے چھوٹے شہزادے کو جو سینے سے لگایا تو بچے کے لب ہلے۔ گویا ماں سے یہ کہہ رہا تھا۔

"اماں! اب تو خوش ہے نا"

بزرگانِ من!

گیارہ محرم کو اہلبیتِ رسولؐ قید ہو کر کربلا سے شام کے لئے روانہ ہوئے ہیں اور راستے میں شہیدوں پر الوداعی ماتم کیا۔ جناب زینبؑ نے سید الشہداؑ

بن جاتا ہے، "مُسْتَجَابُ الدَّعْوَاتْ" ہو جاتا ہے ۔ جو اس پتھر کی تاثیر نہیں بلکہ عشق کے اثرات ہیں ۔

اور یہ عشق ایسا نشہ ہے کہ اسے دُنیا کی کوئی طاقت سمجھ سکتی ہی نہیں۔ اگر دُنیا بھر کے واعظ، لیکچرار اور مصنّف کتابوں کی کتابیں لکھ دیں اور ساری عمر تقریر کرتے رہیں یہ سمجھانے کے لئے کہ عشق کیا چیز ہے، وہ سمجھا ہی نہیں سکتے۔ گویا عشق کی دیوانگی جس پہ گذرتی ہے وہی جانتا ہے کہ یہ کیا شے ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور شخص سمجھ سکتا ہی نہیں کہ عشق کیا ہے۔

بزرگانِ من!

ہیں تو کہانیاں مگر ان کے اندر بڑی باتیں پوشیدہ ہیں۔ آج سے دو ہزار سال قبل بکرمجیت کے زمانہ کی بات ہے کہ یو پی کے شہر بنارس میں ایک پنڈت "تلسی داس" گذرا ہے جو ایک برہمن تھا۔ اس نے "رامائن" نظم کی ہے۔ یہ ایک بڑا آوارہ مزاج لڑکا تھا۔ آوارگی کے عالم میں کسی مکان کی چھت پہ چڑھنا چاہتا ہے۔ چنانچہ اس نے کمند ڈال کر مکان پر چڑھنا شروع کر دیا۔ اتفاق سے اس کے ہاتھ سے کمند چھوٹ گئی اور وہ بے خبری کے عالم میں ہی ایک کالے سانپ کو پکڑ کر چڑھنے لگا۔ نہ تو سانپ ہی گرا اور نہ ہی اسے محسوس ہوا کہ یہ سانپ ہے۔ آخر جب وہ چھت تک پہنچ گیا تو تب اُسے معلوم ہوا کہ کمند کی بجائے اس کے ہاتھ میں سانپ ہے۔

تلسی داس خود اس بات کا راوی ہے کہ جب میں نے سانپ دیکھا بس اُسی وقت سے میرے ذہن میں خیال آیا۔ کہ "اگر دل لگا دے کسی سے ہو جائے تو کیا مجال کہ سانپ کوئی نقصان پہنچا دے"۔ گویا دُنیا کا فانی اور ناچیز عشق موذی کا منہ بند کر سکتا ہے۔ ستانے والے کو رد کر سکتا ہے، جانوروں کی فطرت بدل سکتا ہے اور ڈنک مارنے والے

فزتُ بربِّ الکعبہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خداوندِ عالم کی حمد و ثنا کے بعد حضرات محمدؐ و آلِ محمدؐ پر درود و سلام

حضراتِ محترم!

میرے ایک دوست نے مجھ سے یہ فرمائش کی ہے کہ آج میں آپ کے سامنے اعمال پر گفتگو کروں ـــــ جہاں تک اعمال پر عالمانہ بحث کا تعلق ہے۔ وہ آپ کسی مفتی سے پوچھیں اور چونکہ میں "مفتی" نہیں ہوں بلکہ "قیمتی" ہوں۔ لہٰذا جہاں تک مجھ سے ممکن ہو سکا مختصر لفظوں میں آپ کی خواہش کو مدِ نظر رکھتے ہوئے آپ کی فرمائش بجا لاتا ہوں۔

سامعینِ کرام!

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ نمازیں پڑھنا، روزے رکھنا اور داڑھی وغیرہ رکھنا گویا اس قسم کی چیزوں کا نام اعمال رکھا گیا ہے۔ حالانکہ صرف نماز روزہ وغیرہ ہی اعمال نہیں ہے۔ میرا یہ مقصد نہیں کہ یہ اعمال نہیں ہیں اعمال تو ہیں۔ مگر ان اعمال کا تعلق ہے دلی لگاؤ سے جسے دوسرے لفظوں میں عشق کہتے ہیں۔ لہٰذا جب تک عشق طبیعت کے اندر نہ ہو تب تک نماز ایک "کھوکھلی" شے ہے اور روزہ ایک "فاقہ" کی چیز ہے۔ اور داڑھی کا "بالِ وبال" ہے۔ جب تک اس کے ساتھ "شمعِ عشق" روشن نہ ہو۔ گویا عشق ہے اصل شے۔ اور دلی لگاؤ ہے اصل چیز۔ جس طرح اگر کسی شخص کو پتھر سے عشق ہو جائے تو وہ حلالِ مشکلات

زہریلے کو ساقی بنا سکتا ہے۔" اگر میں بھی کسی حقیقت سے عشق کروں تو اللہ جانے کیا ہو گا؛ بس ذہیں سے یہ تلسی داس تاریخ کی ایک مشہور و معروف شخصیت بن گیا جس کے فلسفۂ عشق نے اسے مشہور کر دیا جو اسے کسی ذات سے ہو گیا تھا۔

بہرنوع اصل شے جو ہے جسے عمل، قول، عقل کی روح کہتے ہیں وہ ہے دلی لگاؤ۔ بے دلی سے کہی ہوئی بات کا وزن اور ہے اور دل سے نکلی ہوئی بات کی طاقت اور ہے۔ گویا جو زبان سے نکلتی ہے وہ صرف کان تک پہنچتی ہے اور جو دل سے نکلتی ہے۔ وہ دل تک پہنچتی ہے۔ مثلاً نماز پڑھنا ایک فعل ہے سر جھکایا اور خاک پر رکھ دیا۔ اگر اس نماز میں عشق ہے تو ہماری نماز کے ایک سجدے کا بار زمین اٹھانے کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ عشق کا سجدہ ہو تو زلزلے آ جاتے ہیں، آندھیاں آ جاتی ہیں اور اگر بے دلی کی باتیں ہوں تو چاہے صبح سے شام تک سجدہ کرتے رہیں۔ "کنقات الغراب" جس طرح کوا زمین پہ ٹھونگیں مارتا ہے؛ اس طرح کے سجدے تو دنیا بہت کرتی پھرتی ہے۔ اصل عمل وہ ہے جو دل سے ہوتا ہے۔

سامعین!

اسلامی نقطۂ نظر سے "عمل" جس چیز کا نام ہے وہ ہے "عبادتِ خدا" عبادت نہ کسی رسولؐ کی ہو سکتی ہے، نہ کسی امامؑ کی اور نہ ہی کسی اور کی۔ عبادت ہوتی ہے صرف اللہ کی۔ اللہ کے علاوہ اور کوئی معبود ہو سکتا ہی نہیں۔

سامعین! ...... معبود ہے صرف اللہ۔ عبادت ہے صرف اللہ کی ——— گویا عبادت کا لفظ جہاں کہیں بھی آئے اس سے مقصود ہو گا "اللہ"۔

اب دنیا کے کسی مولوی سے مت پوچھو کہ عبادت کس کی ہوتی ہے ——— معبود کون ہے؛

بزرگو بھائیو! ——— یہ بات اگر ہے اور یقیناً ہے کہ عبادت ہے

صرف اللہ کی ـــــــ تو آج ہم حضرت ابوبکر صدیق کو کہاں سے تلاش کر کے لائیں اور ان سے پوچھیں:۔

اے صحابیٔ رسولؐ! ـــــ جب عبادت کا لفظ مخصوص ہے صرف اللہ کے لیے۔ تو آپ نے دُنیا کو کیا فرمایا کہ

"میں نے اپنے کانوں سے رسول اللہ کو یہ کہتے ہوئے سُنا ہے"

کہ "علیؑ کے چہرے کا دیکھنا عبادت ہے"

سامعین!

رسولؐ "ثواب" کہہ دیتے تو بڑی خوشی کی بات تھی مگر رسولؐ نے لفظ "عبادت" کہا ہے۔ اور لفظ "عبادت" مخصوص ہے صرف اللہ کے لیے۔

اب بتاؤ! ـــــ اگر نصیری بگڑ جائیں تو آپ کو پکڑیں گے یا نہیں۔؟ کہ آپ نے کیا کہہ دیا کہ علیؑ کے چہرے کی طرف دیکھنا عبادت ہے۔

بھلا یہ بھی کوئی بات ہوئی۔ چونکہ ساری عمر ہو گئی عمل والوں سے ہم بے عملوں کو یہ کہتے سُنتے کہ ہم عبادت نہیں کرتے بلکہ علیؑ علیؑ کرتے ہیں اس لیے ہم جہنم میں جائیں گے۔

سامعین!

جب لوگ یہ کہتے ہیں کہ علیؑ علیؑ کرنے والے جہنم میں جائیں گے تو نہ جانے یہ علیؑ علیؑ کرنے والے بُرا کیوں منا جاتے ہیں۔ حالانکہ ان کا بُرا منانا اس بات کی دلیل ہے کہ انہیں علیؑ سے عشق نہیں ہے۔ ورنہ خدا شاہد ہے کہ اگر علیؑ سے انہیں عشق ہوتا تو یہ علیؑ علیؑ کرنے والے جہنم میں جانے پر کبھی بُرا نہ مناتے۔

میں کہتا ہوں "اگر علیؑ علیؑ کرنے سے جہنم ملتا ہے تو ہمیں اور کچھ نہیں چاہیئے۔ خُدا کی قسم! اگر یا علیؑ کہنے سے جہنم ملتا ہے تو کروڑہا جنتیں قربان کرتا ہوں۔ مجھے جہنم ہی منظور ہے۔ گویا یا علیؑ کہنے سے جو کچھ ملتا ہے ہمیں منظور ہے۔ میرا ایمان ہے کہ جب

جہنم میں یا علیؑ کہہ کر چھلانگ لگائی جائے گی تو وہ جہنم فوراً گلزار ہو جائے گا۔ کیا مجال جہنم کی جو علیؑ کا نام سُنکر شرما نہ جائے

بہر نوع میرا عرض کرنے سے مطلب یہ ہے کہ عبادت ہے صرف اللہ کے لئے اگر نمازی کے دل میں یہ آ جائے کہ لوگ مجھے نماز پڑھتے دیکھ کر یہ کہیں کہ یہ بڑا نیک آدمی ہے تو گویا نماز نماز نہ رہی بلکہ وہ گناہ ہو گیا ہے۔ معلوم ہوا نماز اسی وقت تک عبادت ہے جب تک صرف اللہ کے لئے ہو اور اللہ نے فرمایا ہے کہ خبردار میری عبادت میں کسی کو شریک نہ کرنا کیونکہ میں وحدہٗ لاشریک ہوں۔

سامعین! —— "وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ" کے معنیٰ یہ ہیں کہ معبود ہوتے میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ ورنہ موجود ہونے میں ہم سب اس کے شریک ہیں وہ موجود ہے اور ہم موجود ہوتے ہیں اور جب تک ہم زندہ ہیں۔ ہم اس کے حیّ ہونے میں بھی شریک ہیں اور جتنی جتنی کسی میں قدرت ہے ہم قادر ہونے میں بھی اس کے شریک ہیں اور جتنا جتنا کسی میں علم ہے۔ ہم عالم ہونے میں بھی اس کے شریک ہیں —— صرف معبودیت ایسی چیز ہے جس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ وہ ہی وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ ہے۔

لہٰذا "وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ" کے معنیٰ یہ ہیں کہ معبود ہونے اور مالک ہونے میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ یہ دو ایسی چیزیں ہیں جو شرک سے مبرا ہیں۔ اب اگر نماز ہے خدا کی عبادت تو اس میں کسی کا شریک ہو جانا گویا شرک ہو جائے گا۔

دیکھو نا! —— اب میں آپ کو نماز کا واعظ کرتا ہوں اگر آپ مجھ پہ یہ شرط عائد کر دیں۔ کہ نماز میں سوائے خدا کے کوئی نہ آنے پائے ورنہ شرک ہو جائے گا۔

تو سُنو حضرات! میں عرض کرتا ہوں کہ نماز یوں پڑھا کرو سب سے پہلے

نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہی کہا کرو۔ "اَللّٰهُ اَکْبَرُ"

مگر یاد رکھو! ـــــ اسکے معنیٰ یہ نہ کرنا کہ "اللہ سب سے بڑا ہے؟

ورنہ اس کے معنیٰ یہ ہو جائیں گے کہ ایک طرف ہم نے سب کو رکھا اور ایک طرف اللہ کو رکھا۔ پھر ہم نے میزان میں مقابلہ کیا تو سب چھوٹے نکلے اور اللہ سب کے مقابلہ میں بڑا ہوا۔ اور جو مقابل میں آکر بڑا ہو وہ اللہ نہیں ہوتا ـــــ لہٰذا "اللہ اکبر" کے معنیٰ یہ نہیں ہیں کہ "وہ سب سے بڑا ہے" حالانکہ ہر اردو داں یہی ترجمہ کر دیتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہیں اردو آتی ہی نہیں۔

اب آپ پوچھیں گے زیدی صاحب! پھر آپ ہی بتائیں کہ "اَللّٰهُ اَکْبَرُ" کا ترجمہ کیا ہے۔؟

میں کہتا ہوں۔ دیکھو! "اللہ اکبر" کا ترجمہ یہ ہے کہ اللہ کے سامنے ہم کھڑے ہوئے اور اس سے کہا تو اکیلا رحمٰن و رحیم ہے۔ ساری حمد تیرے ہی لئے ہے تو سارے عالمین کا رب ہے۔ تو یوم الدین کا مالک ہے۔ تو ہمیں صراط مستقیم پر قائم رکھنا اور صراط اُن کی ہو جن پر تیرا انعام ہوا۔

سامعین!

ہم تو صرف اللہ کی نماز پڑھ رہے تھے۔ مگر یہ "اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ" کا خیال کہاں سے کہاں تک پہنچ گیا۔ کون ہیں وہ لوگ جن پر اللہ کا انعام ہو گیا۔

پھر سوچا۔ ان کا نام آنے سے یہ شریک نماز ہو گئے۔ کیوں نہ ان کا نام ہی بیچ سے نکال دوں۔ آخر اللہ سے پوچھا۔

"خداوندا! یہ فقرہ نماز سے نکال دوں"؟

اللہ غصہ سے جواب دیتا ہے۔

"خبردار"

آخر چپ ہو گیا۔ کہ کوئی تو انعمت علیہم ہو گا۔

بہر نوع میں نے الحمد پڑھ لی پھر کہا سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْظِیْمِ وَبِحَمْدِہٖ

اس کے سجدہ میں سر رکھ کر "سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی" کہا ـــــ دوسری رکعت کے دو سجدے ادا کرنے کے بعد آرام سے بیٹھ گیا - اور کہا:-

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ

خدا نے ہم سے گفتگو کی اور خوش ہوا -

"بندے تو نے میری حمد کی - مجھے عظیم واعلیٰ بھی کہا - اب وحدہٗ لاشریک بھی کہہ رہا ہے - مگر یہ بتا کہ تو نے یہ ساری باتیں کہاں سے سیکھی ہیں"؟

میں نے عرض کی "خداوندا ـــــ مجھے تو خاک بھی پتہ نہیں تھا - یہ باتیں تو تیرے ایک بندے نے مجھے بتائی ہیں جس کا نام محمدؐ ہے جو تیرہ عبد بھی ہے اور رسول بھی ہے " اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ "

بس بھائیو! نماز پوری ہو گئی یا نہیں؟

دیکھو سامعین! ـــــ آپ نے کیا کہہ دیا کہ درود باقی رہ گیا ـــــ کیا غضب کر رہے ہو! مولوی صاحبان ماریں گے - وہ تو کہتے ہیں کہ سوائے خدا کے کسی کا نام لینا بھی بدعت ہے، گناہ ہے ـــــ مگر

اللہ کہتا ہے، "نماز لیو! لے جاؤ اپنی نماز - مجھے ایسی بے دم درود کی نماز نہیں چاہیے"

اب نماز بے چاری وہیں کھڑی ہے اور کہتی ہے -

نمازلیو! "خدا کے لئے مجھے درود کا پاسپورٹ دو - تاکہ ملک قبول میں جا سکوں"

آخر ہم نے نماز کو اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ کا پاسپورٹ دیا - اور ہماری نماز ملک قبول میں جا پہنچی -

حضور والا! آلِ محمدؐ پر درود بھیجنے کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ آلِ محمدؐ

عبادت خدا میں شریک ہو گئے ۔ عبادت تو صرف اللہ کی ہوتی ہے ۔ عبادت بغیر عشق کے خالی پیکر ہے ۔ بے رُوح ہے ۔ اس لئے اللہ چاہتا ہے کہ عبادت ہو مگر ساتھ میں عشق بھی شامل ہو ۔ چنانچہ ہم اللہ سے کہتے ہیں ۔

" خداوندا ! ہم تجھ سے عشق کرلیں " ؟

اللہ کہتا ہے " پاگل نہ بنو ۔ تم میرے عاشق نہیں بن سکتے "

پھر ہم نے عرض کی ۔

" خداوندا ــــ تجھ سے عشق ہو نہیں سکتا ۔ ؟ اور تو کہتا ہے کہ مجھ سے عشق کرو ۔ پھر تو ہی بتا تجھ سے کس طرح عشق کیا جائے ؟

اللہ نے کہا ۔ " چونکہ براہ راست مجھ سے عشق نہیں ہو سکتا ۔ لہٰذا : میں ایسا انتظام نہ کردوں کہ ایسے اپنے بناؤں جنھیں عبادت میں شریک کرلوں ۔ عشق ان سے ہو اور عبادت میری ہو تاکہ عبادت میں رُوحِ عشق آجائے اور عبادت ، عبادت ہو جائے "

سامعین !

اگر اللہ کے ان " اپنوں " کو بیچ سے نکال دیں تو عبادت کھوکھلی رہ جائیگی اور نماز گھبرا کے اِدھر اُدھر دیکھے گی کہ اب میں کہاں جاؤں ۔

لہٰذا ان " اپنوں " کے عشق کے ساتھ پڑھی ہوئی نماز اتنی قیمتی اور وزنی ہوتی ہے کہ نمازی تین مرتبہ کہتا ہے " اللہ اکبر " گویا رُوحِ عبادتِ خدا عشقِ آلِ محمدؐ ہے ۔ جو نہ دولت خرچ کرنے سے آتا ہے ، نہ کتابیں پڑھنے سے آتا ہے اور نہ ہی مولوی بننے سے آتا ہے ۔

" ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ اللّٰهُ " یہ اللہ کا فضل ہے کہ وہ جس بندے کو چاہے یہ نعمت عطا فرما دے ۔

اور یاد رکھو اے عشقِ آلِ محمدؐ کی دولت رکھنے والے معزز انسانو ! ــــ عشقِ آلِ محمدؐ نہایت قیمتی جوہر ہے جو تجھے اللہ

دیا ہے۔ لہٰذا اسے چوروں سے بچائے رکھنا۔ چونکہ جوہر بڑا قیمتی ہے اسلئے ڈاکو بھی بڑے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کر کوئی ڈاکو دوستی کے پردے میں تجھے نماز روزے کی طرف لگا کے عشق آلِ محمّد کی دولت لوٹ کرلے جائے۔ لہٰذا اسکی بڑی حفاظت کرنا۔ نماز بھی پڑھنا کیونکہ نماز پیکر ہے مگر روح اس کی عشقِ آلِ محمّد ہے۔

سامعین!

مولوی صاحبان کا یہ متفقہ فیصلہ ہے (چاہے سُنّی ہو یا شیعہ) کہ جو نماز قبول نہیں ہوتی وہ نمازی کے منہ پر ماردی جاتی ہے۔

اب بتاؤ! ــــــ نماز کوئی اینٹ ہے یا پتھر ہے جو اٹھا کے منہ پر ماردی جاتی ہے؟

اس کا مکمل جواب تو آپ خود ہی سوچیں۔ مگر میں تو ہر نماز پڑھنے والے کا منہ تکتا رہتا ہوں۔ اگر نماز کے بعد اس کا منہ ٹھیک رہا تو میں سمجھتا ہوں کہ نماز قبول ہو گئی اور جہاں ذرا منہ بگڑا فوراً سمجھ گیا کہ نماز منہ پر ماردی گئی ہے۔

سامعین!

دیکھو نا ــــــ کربلا میں تقریباً ستّو آدمی یہ شور مچا رہا تھا کہ حسینؑ کو جلدی قتل کردو تاکہ نماز عصر قضا نہ ہو جائے!

گویا نماز کا یہ زور ہو رہا تھا۔ یہ ان ہی لوگوں کی سکھائی ہوئی بات ہے۔ کہ بس نماز پر ہی زور دیئے جاؤ چاہے فرزندِ رسُولؐ قتل ہو جائے۔

بتاؤ ــــــ یہ کوئی نماز ہے؟ مغرب کا وقت ہے خیمے جل رہے ہیں۔ بچّوں کے بیٹھنے کی جگہ نہیں اور زینبؑ کے سر پہ چادر نہیں اور مسلمان آلِ محمّد کو قتل کرکے اور اُن کے خیمے جلا کر مغرب کی نماز ادا کر رہے ہیں۔ ایمان سے بتاؤ، یہ کوئی نماز ہے؟

ہر نوع عشقِ آلِ محمدؐ کے بغیر نماز ہو ہی نہیں سکتی۔ نماز پیکر ہے اور عشقِ آلِ محمدؐ اس کی روح ہے اور یہ عشقِ آلِ محمدؐ نہ عقیدت سے آتا ہے نہ پڑھنے سے آتا ہے اور نہ ہی خرچ کرنے سے آتا ہے یہ وہ ذَالِکَ فَضْلُ اللّٰہِ، اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور یہ اللہ سے لَو لگانے سے آتا ہے۔ اسی چیز کے لئے اللہ کہتا ہے "اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ" تم مجھ سے دُعا کرو (کہ "یا اللہ ہمیں عشقِ آلِ محمدؐ دے دے" میں اسے قبول کروں گا۔ ورنہ رزق کا خدا نے خود وعدہ کیا ہے۔ لہٰذا رزق کے لئے دُعا کرنے کی ضرورت نہیں۔ زندگی جتنی ہے اتنی ہی ہو گی۔ اس کے لئے مانگنا نہ مانگنا بے کار ہے جن دعاؤں کے لئے قرآن میں تاکید ہے کہ "تم مجھ سے مانگو میں قبول کروں گا" وہ دُعا ہی یہ کرو کہ "خدا ہمیں عشقِ آلِ محمدؐ عطا فرمائے تاکہ ہماری نماز سچی ہو جائے۔ ہمارا روزہ سچا ہو جائے۔ ہمارا ہر عمل سچا ہو جائے۔

بات سے بات پیدا ہوتی ہے حضور! یہ عشق کی بات ہے کہ نوّے سالہ سعیدؓ حبیب کے قصبے کا رہنے والا کربلا میں حسینؑ کی فوج میں موجود تھا۔ یوم عاشور یہی سعیدؓ امامؑ سے کہتا ہے۔

"مولاؑ! ظہر کا وقت ہے"

مولاؑ نے فرمایا "سعیدؓ! کیا چاہتے ہو"؟

مولاؑ! ۔۔۔" میں چاہتا ہوں کہ زندگی کی یہ آخری نماز آپ کی جماعت کے ساتھ ادا کروں"

بتاؤ مسلمانو!

حسینؑ کے پیچھے نماز پڑھنے کی تمنا کرنا دُنیا کی بہترین تمنا ہے یا نہیں؟

اب جو سعیدؓ نے یہ کہا تو امامؑ نے جواب میں فرمایا:

"سعیدؓ! تو نے اس وقت اللہ کی نماز یاد کی۔ اللہ تمہیں اس کا اجر دے گا"

دریائے فرات کے کنارے نمازیوں نے تیمم کیا۔ نماز شروع ہو گئی اور سعیدؔ کے دل کی گہرائی سے جو تمنا نکل تھی وہ پوری ہو رہی ہے۔ سعید امامؑ کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ اقامت کہی۔ اچانک تیر آنا شروع ہو گئے۔ اب سعیدؔ نے جو دیکھا کہ تیر امامؑ کی طرف آ رہے ہیں تو اُس نے نماز کی نیت باندھنے کے بعد نیت توڑ کے صف چھوڑ دی اور امامؑ کے سامنے آ کھڑا ہوا اور بولا:-

"فرزندِ رسولؐ! آپ نماز پڑھیں۔ میں تیروں کو روکتا ہوں"

چنانچہ باقی آدمی امامؑ کی جماعت میں نماز پڑھ رہے ہیں اور جس کی یہ تمنا تھی کہ آخری نماز امامؑ کے ساتھ پڑھوں وہ غریب کھڑا ہوا تیر روک رہا ہے۔ جو تیر بھی امامؑ کی طرف آتا ہے۔ سعیدؔ اپنی بڈھی پسلیوں پر روک رہا ہے۔ اور تیر بڈھی پسلیوں میں گھس گئے۔ اِدھر امامؑ نے سلام پھیرا، اُدھر سعیدؔ امامؑ کی گود میں جا گرا۔ بڈھا آدمی چہرے پر موت کا پسینہ آ گیا۔ اور گرتے ہی امامؑ سے پوچھتا ہے "هَلْ وَفَيْتُ يَا ابْنَ رَسُولِ اللّٰهِ"

"کیوں فرزندِ رسولؐ! ـــــ آپؑ مجھ سے خوش ہیں۔ کیا میری نماز ہو گئی؟

امامؑ جواب میں فرماتے ہیں، "سعید اَنْتَ اَمَامِیْ فِی الْجَنَّةِ میں تجھ سے وعدہ کرتا ہوں کہ جب میں جنت میں جاؤں گا تو تو میرے آگے آگے چلے گا"

سعیدؔ نے عرض کی، "مولاؑ! میرے تیر نہ نکالنا میں تیرے ناناؐ کے پاس ان تیروں کے ساتھ جانا چاہتا ہوں"

اس کے بعد سعیدؔ کہتا ہے۔

"مولاؑ! کوئی میرا داہنا بازو دبا رہا ہے"؟ امامؑ نے فرمایا "سعید! سلام کرو۔ یہ میرے نانا رسول اللہؐ ہیں"

"قبلہ! کوئی میرے بائیں طرف بھی ہے"؟
"سعیدؓ! یہ میرے بابا حیدر کرار آئے ہیں"
"مولا! کوئی میرا سر دبا رہا ہے"؟
"سعیدؓ! یہ میرے بھائی حسنؑ ہیں"
آخر میں سعیدؓ پوچھتا ہے۔
"مولا! کوئی میرے پاؤں کی طرف بھی ہے"؟
امامؑ فرماتے ہیں۔
"سعیدؓ! پاؤں سمیٹ لو۔ یہ میری اماں فاطمہؑ ہیں"
اس منظر کو دیکھ کر مولانا رُوم اپنی مثنوی میں کہتا ہے۔

نمازِ ظاہری ذکرِ سجود است
نمازِ عاشقاں ترکِ وجود است

یہ ظاہر میں پڑھی ہوئی نماز ذکر سجود و رکوع ہے اور عشق کی نماز وہ ہے کہ اپنے آپ کو فناہ کر دیا۔

یہ ہے وہ عمل جسے عبادت کہتے ہیں اور عبادت اس وقت تک کھوکھلی ہے جب تک اس میں "رُوحِ عشقِ آلِ محمدؐ" شامل نہیں ہوگا اور رُوحِ عشقِ آلِ محمد بے کار ہے جب تک اس کے لئے "عمل" کا پیکر ہو۔ گویا رُوح کے لئے جسم اتنا ضروری ہے جتنا جسم کے لئے رُوح ضروری ہے

حضور والا!

اگر ہمارا پیدا ہونے کا مقصد عبادت ہے۔ تو اس مقصدِ عبادت کو اس ظاہری دُنیا میں سب سے زیادہ کس شخص نے پُورا کیا ہے۔؟

حضور امام حسنؑ فرماتے ہیں "جہاں تک عبادت کا تعلق ہے میں اپنے باپ علیؑ کے مقابلہ میں ایک ہزار کی نسبت سے ہُوں۔ گویا علیؑ اتنا بڑا عابد ہے۔

سامعین!

یہ تو آپ نے سن لیا کہ مسلمانوں میں پہلی نماز جس نے پڑھی وہ علی ابن ابی طالبؑ ہیں ـــــ لیجئے ایک قصہ بھی سماعت فرمائیے گا۔

ایران کا ایک تاجر بغرضِ تجارت مکّہ میں ہر سال حج کے موقعہ پر اپنی دُکان لگایا کرتا تھا۔ وہ راوی ہے کہ ایک سال جو میں گیا تو میرے دوست حضرت عباسؓ رسولِ خدا کے چچا، میری دُکان پر بیٹھے تھے۔ میں نے دیکھا کہ اچانک ایک شخص آیا اور ایک طرف کو منہ کر کے کھڑا ہو گیا۔ پھر جُھک گیا۔ پھر سجدے میں گیا۔ پھر کھڑا ہو گیا اور ایک معصوم چھوٹا سا بچّہ اس کے ساتھ یہ حرکت کر رہا تھا۔ میں نے عباسؓ سے پوچھا "یہ جوان کون ہے اور یہ بچّہ کون ہے؟

عباسؓ نے جواب دیا "یہ جوان میرا بھتیجا محمّدؐ ہے"

میں نے پوچھا یہ کیا کہہ رہا ہے"؟

عباسؓ بولے "یہ کہتا ہے کہ میں رسولؐ ہوں اور یہ بحکمِ خدا اپنی نماز پڑھ رہا ہے"

"یہ لڑکا کون ہے"

"یہ میرا دوسرا بھتیجا علیؑ ہے"

ایرانی کہتا ہے کہ میں سوچ میں پڑ گیا کہ ایک معصوم جس کی اطاعت کر رہا ہے وہ یقیناً سچّا ہو گا۔ ورنہ بچّے کو کیا تھا۔ اس کے کھیلنے کے دن ہیں اسے کیا مصیبت تھی کہ یہ بھی ایسا ہی کرتا جیسا یہ جوان کر رہا ہے۔ یہ ضرور کوئی سچّا ہو گا۔

حضور والا! ـــــ علیؑ کی پہلی نماز آپ نے دیکھ لی۔ آیئے اب ذرا علیؑ کی وہ نماز دیکھیں جو علیؑ نے بستر پر سو کر پڑھی۔ اُنیس سال کا جوان۔ رات بھر خوب سویا اور کائنات کا عظیم نمازی کہلایا جس پر اللہ کو یہ آیت نازل کرنا پڑ گئی کہ "آج تیرا سونا بھی میری مرضی کا مالک ہو گیا"

ہم نے صبح جا کے علیؑ سے پوچھا ۔

• یا علیؑ ! کہو کیا حال ہے ۔ آپ کی نماز کا ۔ ؟

اب تو آپ بڑے خوش ہوں گے کہ اللہ نے اپنی مرضیاں دے دیں، علیؑ جواب میں فرماتے ہیں ؛ میں اللہ کا ذلیل بندہ ہوں ۔ میں نے کیا عبادت کرنا ہے ۔ اگر خدا قبول کرلے تو یہ اسکی مہربانی ہے ؛ علیؑ جیسا انسان آج یہ کہہ رہا ہے کہ "عبدتک حقّا عبادتک" ہم تیری عبادت نہ کر سکے جتنا عبادت کرنے کا حق ہے ۔ ــــــــ پتہ چلا کہ اس انسان کے دل میں عبادت کا اتنا بڑا تصور ہے ۔ گویا اس شخص کے ذہن میں عبادت کی آخری منزل کا کوئی اتنا بڑا تصور ہے کہ اُس منزل کے تصور کو جب یہ دیکھتا ہے تو اپنے مرضیوں کے مالک ہونے کو یہ اس کے مقابلہ میں کوئی شے نہیں سمجھتا ۔

بزرگانِ من !

اب علیؑ کی ایک اور نماز دیکھئے ۔ دورانِ جنگ پاؤں میں گھٹنے کے قریب کی ہڈی میں تیر چبھ گیا ۔ تیر کا اگلا حصہ ہڈی میں ٹوٹ کر رہ گیا ۔ بڑی تکلیف ہے ۔ چلا نہیں جاتا ۔ نہ ہی بیٹھا جاتا ہے ۔ اگر جراح اسے نکالنا چاہے تو چھونے نہ دے ۔ آخر رسولؐ نے فرمایا

• ٹھہر جاؤ ۔ نماز کا وقت آنے دو ۔ پھر تیر نکال لینا ؛ چنانچہ یہی ہوا ۔ علیؑ نماز کے لئے مصلّا پر کھڑا ہوا ۔ اور کہا ،، اَللّٰہُ اَکْبَرُ ۔ ــــــ سجدہ میں گیا ۔ جراح نے چیرا دے دیا ۔ اور تیر نکال لیا ۔ اور جب علیؑ نے نماز ختم کرلی تب پتہ چلا کہ کیا ہوا ۔

سامعین !

بات تو تیر کی تھی مگر تیر کی طرح سیدھی ہمارے دلوں میں جا اُتری اور ہم نے جان لیا کہ علیؑ وہ نمازی ہے کہ نماز میں چاہے پاؤں سے تیر کھینچ لیا جائے اسے پتہ ہی نہیں چلتا ۔ مگر ـــــــ کچھ عرصہ بعد ہم دیکھتے کیا ہیں کہ وہی

علیؑ ہیں اور وہی ظہر کی نماز ہے اور مسجد نبی کے دروازے پر ایک سائل کھڑا ہو کے کہتا ہے:۔

"مسجد والو! اللہ کے واسطے مجھے کچھ دو"

کسی نے کچھ نہ دیا۔ کیونکہ جو زکوٰۃ دینے والا تھا وہ سُن ہی نہیں رہا تھا آخر اس نے تنگ آ کے کہا:۔

"یا اللہ! تیرے رسولؐ کی مسجد سے خالی ہاتھ جا رہا ہوں"

سامعین!

سائل نے جب تک نمازیوں سے مانگا۔ مانگتا رہا۔ اور جب اس نے اللہ سے مانگا تو جو اللہ تک پہنچا ہوا تھا اس نے سُن لی۔ چنانچہ علیؑ نے حالتِ رکوع میں سائل کو زکوٰۃ دے دی۔ ہم اِدھر حیران کھڑے تک رہے ہیں۔

"یا علیؑ! اُس دن تو اتنی محویت کہ پاؤں سے تیر نکال لیا گیا اور پتہ نہ چلا یا آج کے دن اتنی خبر ہے کہ سائل کو زکوٰۃ دے دی"

بہر حال اتنا بڑا نمازی، اتنی محویت سے نماز پڑھنے والا کہ پاؤں میں چُبھے ہوئے تیر کھینچ جائیں مگر پتہ نہ چلے۔ یہ ہے نماز کی آخری منزل مگر علیؑ کیا فرماتے ہیں کہ میں کہاں اور نماز کہاں! اللہ جانے نمازی کے ذہن میں نماز کا تصور کیا ہے۔ اتنی اچھی نماز کو کہتا ہے کہ کوئی بات نہیں۔

ادھر قرآن علیؑ کی عبادت کی تشریح فرماتا ہے کہ اسکی ایک ضربِ ثقلین" کی عبادت سے افضل ہے۔ اب تو علیؑ بھی بہت اکڑے ہوں گے کہ میری لگائی ہوئی ایک ضرب ثقلین کی عبادت سے بڑھ گئی ہے۔ اور جب "ثقلین" کا لفظ رسولؐ نے بولا ہو گا تو سمٹ سمٹ کے ساری کائنات دائرہ ثقلین میں آ گئی ہو گی۔ خدا جانے عرش اور اس کے اوپر بیٹھ کر اللہ کی عبادت کرنے والے ملک ثقلین کے دامن میں شامل ہو گئے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاؑ ثقلین کے ایک کونے میں سہمے کھڑے ہیں۔ ابراہیمؑ اپنی خلت لئے کھڑے ہیں۔ موسیٰؑ اپنی ہیبت

لئے کھڑے ہیں اور عیسیٰ اپنی حیاتِ جاوداں ہیں پلٹی ہوئی عبادت لئے کھڑے ہیں ۔ گویا ساری کائنات اپنی اپنی عبادتیں لئے ہوئے کھڑی ہے ۔ اور تھر تھر کانپ رہی ہے ۔ اور ضربِ علیؑ ان سب پر حاوی ہو چکی ہے ۔

ہم کہتے ہیں " یا علیؑ ! ـــــ مُبارک ہو اتنی بڑی عبادت ہے "

علیؑ مسکراتے ہیں اور فرماتے ہیں ۔ " خاک مبارک ۔ کچھ بھی نہیں ہوا میں نے کچھ بھی نہیں کیا ـــــ "

ہم حیران ہیں کہ اللہ جانے یہ بندہ چاہتا کیا ہے ۔ آخر یہ کہاں جا کے کہے گا کہ یہ عبادت ہے ؟

سامعین !

یہ تو رسُولؐ کی زندگی کی باتیں تھیں ۔ اب رسُولؐ کے بعد علیؑ آگیا ۔ اب تو علیؑ کو دنیا کے کاموں سے بھی فرصت مل گئی ۔ کیونکہ دُنیا کے دھندے اوروں نے سنبھال رکھے ہیں ۔ اَب گھر ہے اور عبادت ہے ۔ ۲۶ سال اسی طرح گذرے ۔ اگر چار سال کے لئے شہنشاہی آبھی گئی تو ساری عمر کی پڑی ہوئی عبادت کی عادت کی وجہ سے شہنشاہیت بھی عبادت میں گذر گئی یہاں تک کہ شخصی جنگ کا وقت آگیا ۔

سامعین !

شخصی جنگ ، جہاد اسلام کا ایک جزوِ اعظم ہے ۔ اسلام کا منشا یہ ہے کہ سربراہ حکومت فیلڈ مارشل ہو جو میدانِ جنگ میں بھی آئے ۔ یہ نہیں کہ مسجدوں میں ہی بیٹھا خوش خبریاں سُنتا رہے ۔

یاد رکھو ؟ ـــــ کسی فیلڈ مارشل کا صدر ہونا اس میں بُرائیاں بھی ہوں گی کچھ اچھائیاں بھی ہوں گی ۔ سب سے پہلی اچھائی تو یہ ہوتی ہے کہ فیلڈ مارشل نڈر رہتا ہے ۔ وہ سکرینگ کا عادی ہوتا ہے ۔ اور پبلک کے بنائے ہوؤں کا عیب نکالتا ہے ۔

اُب اسے لاکھ سمجھاؤ کہ اُنہیں عوام نے بنایا تھا۔ وہ ووٹ سے بنے تھے۔ اب ان کی حکومت بھی گذر گئی۔ اب تم کیوں مُردے اکھاڑتے ہو۔ ـــــ مگر فیلڈ مارشل کہتا ہے "نہیں"۔ چاہے وہ گذر گئے ہوں چونکہ عوام کے بنائے ہوئے تھے۔ لہٰذا ان کے عیب نکالو۔ ـــــ اس کے علاوہ اور بہت سی ایسی چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں جو فیلڈ مارشل کرتا ہے۔ مثلاً فیلڈ مارشل حکومت نے حکم دے دیا کہ "بکریاں ختم کر دو"

اُب بتاؤ۔ یہ بھی کوئی بات ہوئی کہ بکرے کی نسل کو ختم کر دو۔ آخر کیوں؟ بکرا بے چارہ کیا بگاڑتا ہے؟ تو فیلڈ مارشل کہتا ہے کہ تمھیں پتہ نہیں کہ بکرا باغ کا دشمن ہے۔ اور باغ کے دشمن کی نسل ہی ختم کر دینی چاہیئے۔

بہر نوع جب چوتھے مرتبہ یہ ہمارا فیلڈ مارشل حاکم ہُوا ہے جسے علیؑ کہتے ہیں۔ اس کے زمانے میں جو جنگیں ہوئیں ہیں جمل۔ صفین اور نہروان وغیرہ ان میں ایسا نہیں ہُوا کہ فیلڈ مارشل گھر میں ہی بیٹھ کر فوجیں بھیجتا رہا ہو بلکہ کہتا ہے۔

"اگر جہاد عبادت ہے تو میں خود اس عبادت سے بہرہ مند ہوں۔ گویا وہ خود میدان جنگ میں موجود رہا۔

میرے محترم سامعین!

عرب کا یہ دستور ہو گیا تھا کہ اگر کوئی عرب کا بہادر اس فوج کا معمولی سپاہی ہوتا تھا۔ جس فوج نے علیؑ کا مقابلہ کیا ہو تو اس کا خاندان فخریہ کہا کرتا تھا کہ میں اس بہادر فرد کے خاندان سے ہوں جو علیؑ کے مقابل فوج میں تھا۔ اگر علیؑ کے مقابل ہونا اتنے بڑے فخر کی بات ہے تو آپ اس فخر کو کس طرح مٹا سکتے ہیں۔

اگر ایک سید کھڑے ہو کر یہ کہہ دے کہ تمہارے مُردوں کو یہ فخر ہو گا۔ آؤ دیکھو! میں ایک تیز رفتار گھوڑے پر سوار ہو کر جہاد میں جاتا ہوں جہاں بھاگ آنے کی توقع قوی ہو اور بات ہے اور بادامی ڈاچی پر چڑھ کر جانا اور بات ہے۔

دیکھو نا۔ جنگ جمل میں تاریخ حرب و ضرب کے لکھنے والوں کو علیؑ نے حیرت میں ڈال رکھا ہے۔ یہ پہلا موقعہ ہے کہ شہنشاہ بذاتِ خود جنگ میں ایک سپاہی کی حیثیت سے ہے۔ علیؑ یہ کہتا ہے کہ چونکہ جہاد ثواب ہے۔ اس لئے میں اس جہاد سے کیوں محروم رہوں۔ اور آپ حیران ہوں گے کہ پوری جنگ جمل میں علیؑ نے چہرے پر نقاب رکھا۔

میں کہتا ہوں۔ خدا گواہ ہے "علیؑ شرما گئے" اب اگلا فقرہ کیا کہوں بس علیؑ شرما گئے کہ ،، کون میرے مدمقابل آگیا ہے؟

سامعین!

جنگ صفین جنگ جمل کا ہی نتیجہ تھا۔ کیونکہ جنگ صفین میں یہی کہہ کر لوگوں کو اُکسایا تھا کہ اگر علیؑ سے لڑنا گناہ ہوتا تو مسلمانوں کی ماں کیوں مقابلہ کیلئے آجاتی۔ لہٰذا علیؑ سے لڑنا حق ہے۔ بس علیؑ سے لڑنے کے لئے اسی بات پہ مسلمان صفین میں اکٹھے ہو گئے اور تقریباً ڈیڑھ لاکھ آدمی کھڑا ہے علیؑ سے مقابلہ میں لڑنے کے لئے اور علیؑ لڑ رہے ہیں۔ چوبیس ۲۴ دن لڑائی ہوئی تیئسواں ۲۳ دن جو تھا اس دن فیصلہ کن جنگ ہو رہی تھی۔ دونوں اطراف کی فوجوں نے یہ سوچ لیا تھا کہ شام کو جو جنگ بند کر دی جاتی ہے آج مت بند کرو۔ اب جنگ بند اس وقت کریں گے جب تک اس کا مکمل فیصلہ نہ ہو جائے۔ گویا فیصلہ کن جنگ ہو رہی تھی۔

حضرت علیؑ کی فوج کا کمانڈر انچیف حضرت مالکؓ اشتر تھے۔ جن کے لئے علیؑ نے فرمایا ہے کہ "یہ میرے لئے ویسا ہی ہے جیسے میں محمد مصطفےٰ

کے لئے، گویا اس سے بڑھ کر کوئی خطاب کسی کو مل سکتا ہی نہیں۔ ادھر حضرت مالکؓ اشتر بڑے خوش تھے کہ آج فیصلہ کن جنگ ہو گی۔ مالکؓ کے دونوں ہاتھوں میں تلواریں تھیں اور اپنے سپاہیوں سے کہتا تھا۔

"سپاہیو! آگے بڑھو۔ کوثر تمہارے قریب ہے۔ جنّت تمہارے قریب ہے"

بہر نوع جس وقت جنگ ختم ہوئی ہے اس وقت مالکؓ اشتر معاویہ کے خیمہ کی طنابیں کاٹ رہا تھا۔ صرف دو ہاتھ ابھی باقی تھے جب وقت امیرالمومنینؑ کا پیادہ پہنچا اور کہا "مالکؓ! مولا نے بلایا ہے"

مالکؓ نے کہا: "تھوڑی دیر ٹھہر جاؤ"

پیادے نے کہا: "نہیں۔ مولا کا حکم ہے کہ جنگ بند کر دو"۔ مالکؓ مولا کا حکم سنتے ہی اٹھ کھڑا ہوا اور امیرالمومنینؑ کی خدمت میں پہنچا۔ عرض کی۔

"یا امیرالمومنینؑ! اب تو معاملہ ہی ختم ہو گیا تھا" مولا نے فرمایا

"ہاں مالکؓ اشتر! خدا یہی چاہتا ہے کہ معاملہ یہیں ختم ہو۔ اب ہماری کا پورا جوش یہ ہے کہ تلواریں پھینک کے بیٹھ جاؤ۔ اب تلوار اٹھانا جرم ہو جائے گا"

امام کے حکم پر جنگ بند کر دی گئی اور اس ایک رات کی جنگ کو اللہ نے "لیلۃ الحریر" کہہ کر یاد فرمایا

سامعین!

"حریر" کہتے ہیں باریک کپڑے کو۔ اس دن علیؑ نے زندگی میں پہلی دفعہ باریک کپڑا پہنا ورنہ ساری زندگی سوائے موٹے کھدر کے کرتے کے کچھ نہیں پہنا۔ تمام مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ علیؑ کے لباس سے قنبرؓ کا لباس زیادہ قیمتی ہوتا تھا۔ علیؑ نے وہ باریک کرتا پہن کر جہاد شروع کیا اور اتفاق سے آپ کے پاس زرہ بھی نہ تھی کیونکہ وہ بیوی کے مہر میں دیدی گئی تھی۔

سامعین! علیؑ جب اپنی زرہ بازار میں بیچنے گئے ہیں۔ رسول اسلامؐ نے فرمایا تھا کہ علیؑ مہر کے لئے بھی کچھ ہے؟
فرمایا، قبلہ! ایک تلوار ہے۔ ایک خچر ہے اور ایک میری زرہ ہے۔
رسولؐ نے فرمایا "یا علیؑ! ان میں سے خچر بھی ضروری ہے تلوار بھی ضروری ہے اور زرہ بیچ دو"
جب امیرالمومنینؑ بازار میں زرہ بیچنے گئے تب پتہ چلا کہ زرہ کیسی تھی۔ سامنے تھوڑا سا لوہا لگا ہوا۔ باقی کپڑا۔ حالانکہ ساری زرہ لوہے کی ہوتی ہے۔ خریدار نے کہا، "قبلہ! آپؑ نے اس زرہ کا کیا تکلف فرمایا ہے؟"
مولاؑ نے فرمایا، "بھئی! سامنے سے معلوم ہو کہ ہم بھی زرہ پہنے ہوئے ہیں"
خریدار نے عرض کی، "قبلہ! اگر کوئی پیچھے سے حملہ کر دے تو پھر؟"
فرمایا، "ابی طالبؑ کا بیٹا اس دن مر جائے جس دن دشمن کو پیچھے آنے کا موقعہ دے۔ یہ محض فوجی تنظیم کے لئے میں زرہ پہن لیتا ہوں ورنہ مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں۔
بزرگو! ——— یہ تو تھی علیؑ کی زرہ کی حالت اب ذرا علیؑ کے گھوڑے کا واقعہ سنیئے گا۔ ایک دن کوئی عرب مسخرہ بن کے مولاؑ سے کہنے لگا۔
"قبلہ! اپنے خچر کو بیچ کر کوئی اچھا سا گھوڑا خرید لو جو خوب دوڑتا ہو"
مولاؑ نے فرمایا، "کسی بھاگتے کے پیچھے میں نے دوڑنا نہیں اور میدان سے میں نے بھاگنا نہیں۔ لہٰذا مجھے یہی خچر چاہیئے۔ چاہے سست رفتار ہی ہے"
سامعین!
اسی لیلۃ الہریر میں علیؑ بذات خود میدان میں تشریف لائے۔ اور اگر سارا قصہ سنو تو لطف آ جائے کہ علیؑ نے اپنا لباس اپنے چھوٹے بیٹے عباسؑ کو پہنا دیا جس کا گیارہواں سال کا سن تھا۔ عباسؑ کو لباس پہنا کر میدانِ جنگ میں

بھیج دیا گویا علیؑ نے لیلۃ الھریر میں عباسؑ کو زندگی میں پہلی دفعہ میدان جنگ میں بھیجا ہے۔ "جاؤ بیٹا! لڑنے جاؤ۔"

چنانچہ عباسؑ میدان جنگ میں تشریف لائے اور معاویہ کی ایک لاکھ فوج یہ کہکر بھاگ گئی کہ "علیؑ آگئے ہیں" انہیں پتہ ہی نہ چل سکا کہ کوئی اور آیا ہے جب مالک اشترؓ نے آکر امیرالمومنینؑ کو رپورٹ دی ہے کہ مولا! چھوٹے شہزادے نے تو کمال کر دیا۔ کہ تلوار پھینک دی اور دو دو سواروں کو اٹھاتا ٹکراتا اور پھینک دیتا میں ابھی ابھی گن کے آیا ہوں عباسؑ نے تقریباً پانچ سو چوہتر سر سے سر ٹکرا کر مار دیئے ہیں۔ لہٰذا میں اب شہزادے کو واپس لایا ہوں" امیرالمومنینؑ نے فرمایا

"مالکؓ! میرے عباسؑ کو تم کیوں واپس لائے ہو"؟

عرض کی حضورؐ والا! کافی دیر تک جہاد کرتے کرتے تھک گیا ہوگا" چنانچہ امیرالمومنین نے عباسؑ کو گود میں لیکر فرمایا۔

"بیٹا! تھک گئے؟"

عباسؑ نے عرض کی "نہیں ابا"

علیؑ نے عباسؑ کے بازو چوم لئے۔ پیشانی چومی، سینے سے لگاکر پیار کیا۔ اور فرمایا "عباس بیٹا! بس۔ اب نہ لڑنا۔ دُنیا نے تمہاری شجاعت دیکھ لی

بزرگان من!

اس جنگ "لیلۃ الھریر" میں خود حضور امام حسنؑ مجتبیٰ اور حضور سید الشہداء امام حسین علیہ السلام نے جہاد فرمایا۔ اور حضرت محمد حنفیہؓ نے بھی گویا علیؑ کے سارے بیٹے اس جنگ میں لڑ رہے تھے۔ اور جب پلٹ کے آئے تو دیکھا کہ امیرالمومنین باریک کرتا پہنے نماز پڑھ رہے ہیں اور نماز کا عالم یہ ہے کہ نہ کوئی جلدی ہے اور نہ ہی کوئی گھبراہٹ ہے۔ بڑے اطمینان سے نماز ہو رہی ہے حسنینؑ تو خاموش رہے مگر عبداللہ ابن عباسؓ نے عرض کی۔

"مولا! یہ میدان جنگ میں کیا ہو رہا ہے"؟ مولا فرماتے ہیں: "ہونا کیا ہے۔

نماز پڑھ رہا ہوں۔"

"قبلہ اس وقت؟"

فرمایا۔ "ہاں اس وقت۔ ابی طالبؑ کے بیٹے کو کوئی ڈر نہیں کہ موت اس پر آئے گی یا وہ موت پر جا پڑے۔"

سامعین!

یہ ہے وہ لیلۃ الحریر کی نماز جس پر ساری دُنیا کی نمازیں ناز کرتی ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ علیؑ کے ہی گھر میں کوئی مثال مل جائے تو مل جائے ورنہ ہر جگہ ممکن نہیں ہے۔ بہر نوع جنگ صفین ختم ہو گئی اور مالک اشترؒ نے دشمن کے قتل ہونے والے سپاہیوں کی گنتی شروع کر دی۔ صبح تک گنتا رہا کہ اتنے فلاں شہزادے نے قتل کئے ہیں اور اتنے فلاں شہزادے نے مارے ہیں۔ اتنے عباسؑ غازی کے اور اتنے محمد حنفیہؓ کے اور ۹۹۹ نو سو ننانوے آدمی مالک اشترؒ کے اپنے ہاتھ سے مارے گئے۔ جبکہ ایک ہزار جناب امیر المؤمنین کی تلوار سے قتل ہوئے تھے۔ اچانک مالکؒ اشتر کے دل میں خیال آیا کہ اگر ایک آدمی اور مار لیتا تو آج میں اور مولا برابر ہو جاتے۔ ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ فوراً ایک سپاہی پہنچا اور کہنے لگا ——— "مالکؒ اشتر! مولا نے یاد فرمایا ہے"

چنانچہ مالکؒ اشتر پہنچا۔ مولا کو سلام کیا۔ اور مولا پوچھنے لگے۔

"مالکؒ اشتر! تم کیا سوچ رہے تھے؟"

عرض کی۔ "مولا! کشتے گن رہا تھا"

مولا نے فرمایا "سُنو! جس شخص کی پشت سے قیامت تک کوئی مومن آنے والا ہو میں اسے چھوڑ دیتا ہوں۔ اتنا چھانٹ کے قتل کرتا ہوں۔ اگر میں ایک سرے سے قتل کرنا شروع کر دوں تو یہ کائنات بچی کب ہے۔ اور تیرے دونوں ہاتھوں میں جو تلوار ہے اس نے جو سامنے آیا وہ قتل کر دیا۔ یہ ہے میرے اور تیرے کشتوں کا فرق۔"

مولاؑ کی یہ بات سُنکر مالکؓ اشتر نے توبہ کی: "مولا! میری توبہ۔ مجھے ایسی بات سوچنا بھی نہیں چاہیئے تھی۔ کیونکہ تُو تو سوچ بھی جانتا ہے۔ جو دل میں خیال آئے وہ بھی جانتا ہے۔"

مالکؓ اشتر کی یہ بات سُنکر علیؑ مسکرا دیئے اور فرمایا: "مالک اشتر! میں نے تجھے بتایا نہیں کہ میں بادشاہ ہوں بدنوں کا اور امام ہوں دلوں کا۔ مجھے پتہ ہے دل میں کیا ہے۔"

خالق کا یہ عظیم نمازی کوفہ کی مسجد کے محراب میں کھڑا کہہ رہا تھا: "میرے اللہ! کیا کروں۔ علیؑ کو بخش دے۔ میرے اللہ! علیؑ سے تیری نماز ادا نہ ہو سکی۔ خداوندا۔ میں حق عبادت ادا نہ کر سکا۔ بس جتنی ناقص ادا ہوئی اسے قبول کرلے" دنیا حیران تھی کہ اللہ چاہتا کیا ہے۔ آخر کس نماز پہ جا کے یہ شخص کہے گا کہ ہاں اب نماز ہو گئی۔"

سامعین کرام!

وقت گذرتا گیا۔ آخر سن چالیس ہجری کا رمضان آگیا جس میں امیرالمومنین کی شہادت ہوئی۔ رمضان کا مہینہ خدا کی نعمتوں کا مہینہ ہے جس میں تقریباً ہر جاہل آدمی بھی نسبتاً زیادہ عبادت کرنے لگتا ہے اور علیؑ نے تو اللہ جانے رمضان کس طرح گذارا ہو گا۔ امیرالمؤمنین ۱۵ رمضان کے خطبہ میں فرماتے ہیں "مَا عَبَدْتُكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ" "پروردگار! جو حق تیری عبادت کا ہے۔ وہ مجھ سے ادا نہیں ہوا"

حضور والا ——— ! ذرا اس فقرہ کی لطافت پر غور کرو تو لطف آجائے گا کہ "مجھ سے تیری عبادت کا حق ادا نہیں ہوا" یہ پندرہ رمضان سنہ کا واقعہ ہے گویا زندگی کے تین دن باقی ہیں اور اتنا بڑا عابد ہے مگر آج تک اتنی عبادتوں کے باوجود اس کے منہ سے یہ نکل رہا ہے کہ "مجھ سے حق عبادت ادا نہ ہو سکا" ——— بہر نوع رمضان کی سولہ گذری۔ سترہ گذری۔ اٹھارہ گذری اٹھارہ تک عابد یہ کہہ رہا ہے کہ "میں تو کچھ بھی نہ کر سکا" اٹھارہ رمضان کی شام

کو جناب زینب سیدہ، عُلیا علیؑ کی بڑی بیٹی کے گھر امیر المومنینؑ کی دعوت تھی۔

بزرگو! ایمان سے بتاؤ۔ جب بیٹی کے گھر باپ آ جائے تو بیٹی کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی ساری دولت و نعمت میرے گھر میں آ گئی ہے۔ اسی طرح شہزادیٔ عظمیٰ اپنے باپ کی دعوت میں مشغول ہے۔ گھر کی ایک ایک دیوار صاف کی ہے۔ تمام گھر جاروب کشی کر کے صاف کیا ہے۔ بقول مرزا دبیر

فرش آنکھوں سے کیا، جھاڑ کے پلکوں سے مکان

زینبؑ آج خوش ہے اور دیوار کے پاس جا جا کے ہمسایوں سے کہتی "بی بیو! بچوں کو شور نہ مچانے دینا۔ گھر میں مردوں سے کہنا کہ ذرا آہستہ بولیں۔ کیونکہ آج شام کو میرے ابّا آئیں گے"۔ ادھر ہمسایہ کی عورتیں کہتی ہیں "شہزادی! اگر اجازت ہو تو ہم اپنے مکان سے نور الٰہی کی ایک جھلک زیارت کر لیں"۔ زینبؑ جواب دیتی ہیں "بی بیو! بابا سے پوچھ کے بتاؤں گی"۔

بہر نوع سارا دن زینبؑ مشغول رہی۔ شام کے قریب زینبؑ حسنینؑ سے کہتی ہیں "بھائیو! تم بھی آنا۔ عباس بھائی تم ابھی سے میرے ساتھ چلو تاکہ بابا کی دعوت کا انتظام کریں۔ شام ہوئی۔ امیر المومنینؑ علی ابن ابی طالبؑ، زینبؑ کے گھر تشریف لائے اور فرمایا۔ "بیٹا زینبؑ! ہم آ گئے"۔

"بابا! بسم اللہ آ جائیے"۔

چنانچہ امیر المومنین علیہ السلام گھر کے اندر تشریف لائے۔ زینبؑ نے فوراً اپنے سر سے چادر زمین پر بچھا دی اور فرمایا۔

"ابا جان! چادر پر بیٹھئے"۔

امیر المومنین نے پہلے وضو کیا پھر زینبؑ کی چادر پر بسم اللہ کہہ کے بیٹھ گئے۔

سامعین!

غور سے سننا میری اس بات کو۔ یہ ایسا عمل ہے جسے عشق کہتے ہیں۔ اب امیر المومنینؑ زینبؑ کی چادر پہ آ بیٹھے۔ روزہ افطار کیا۔ روزہ افطار کرنے کے بعد

امیرالمومنین فرماتے ہیں۔ بیٹیا زینبؑ! ہم نماز مغرب آج یہیں پڑھیں گے؛
زینبؑ نے جواب دیا: ابا حضور بسم اللہ۔ نماز پڑھیئے۔ چنانچہ علیؑ نے
چادرِ زینبؑ پہ نماز پڑھنا شروع کر دی۔

حضورؐ والا! علیؑ نے اس نماز میں اپنے پاؤں سے کوئی تیر نہ کھنچوایا
وہی ایک سادہ نماز ہے۔ پڑھ لی۔ اور وہ عابد جو اتنی عظیم عبادتوں کے بعد
کہا کرتا تھا کہ "مجھ سے حق عبادت ادا نہ ہو سکا" تین رکعت مغرب کی نماز زینبؑ
کی چادر پر پڑھ کر کہتا ہے۔ "فُزْتُ بِرَبِّ الْکَعْبَہ"

"ربِّ کعبہ کی قسم! آج میں عبادت میں کامیاب ہوا ہوں۔ اب مجھے
پتہ چلا کہ میری عبادت مکمل ہو گئی"

گویا زینبؑ کی چادر پہ سجدہ کر کے علیؑ کو پتہ چلا کہ آج میں نے حق عبادت
ادا کر دیا ہے ـــــ یہ ہے وہ رُوحِ آلِ محمد جو آج مکمل ہو
گیا۔ آج تک اپنی عبادتوں کو حقیر سمجھنے والا زینبؑ کی چادر پر نماز
پڑھ کے کہتا ہے "فُزْتُ بِرَبِّ الْکَعْبَہ" کعبہ کی قسم! آج میں نے
حق عبادت ادا کر دیا۔ آج میری عبادت انتہا کو پہنچ گئی۔

سامعین!

زمانے کی گردش کہو یا دُنیا کا انقلاب کہو کہ وہی چادر جس پہ علیؑ نے نماز ادا
کی تو فزتُ برب الکعبہ کہا آج وہی چادر کے متعلق تم سنتے ہو کہ شمر لعین نے زینبؑ
کے سر سے کھینچ لی تھی۔ حالانکہ یہ روایت بالکل غلط ہے۔ شمر لعین کے ہاتھ نہ جل جاتے
اگر وہ زینبؑ کی طرف بڑھاتا۔

لہٰذا آج میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اگر کربلا میں لشکر یزید نے زینبؑ
کی چادر نہیں چھینی تو آخر وہ چادر کہاں ہے۔

بزرگانِ من!

زینبؑ گیارہ محرم کو معہ چادر حسینؑ کی لاش پہ آئی اور دیکھا کہ بھائی کی لاش

دھوپ میں پڑی ہوئی ہے۔ زینبؑ کے وہ تاریخی فقرے آج بھی فضا میں گونج رہے ہیں۔

"حسینؑ بھائیؑ! تیری میت دھوپ میں ہے تیرے پاس کفن نہیں ہے، اگر اجازت ہو تو میں تجھے کفن منگوا دوں۔ حسینؑ! وہی درزی جو بچپن میں لباس لیکر آیا تھا۔ آج کفن لیکر آئے گا۔ حسینؑ! اگر میری ماں کے کہنے سے لباس آسکتا ہے تو میرے کہنے سے کفن بھی آسکتا ہے ——— مگر حسینؑ! مجھے پتہ ہے تیری مصلحت نہیں ہے۔ لہٰذا میں تیرے کفن کا انتظام کرتی ہوں"

یہ کہکر زینبؑ نے اپنی چادر حسینؑ کی لاش پہ ڈال دی اور سوئم والے دن جب امام زین العابدینؑ نے باپؑ کو دفن کیا ہے تو وہی زینبؑ کی چادر حسینؑ کا کفن تھا۔

حضورِ والا!

قیامت کے دن ہر ایک اپنا کفن پہنے ہوئے اُٹھے گا۔ میرا یہ اعلان ہے کہ حسینؑ جب آئے گا قیامت میں تو اس کے کاندھے پر زینبؑ کی چادر ہوگی۔

بس بھائیو! نمازیں جتنی ہو سکیں پڑھو۔ روزے جتنے ہو سکیں رکھو مگر ان اعمال کے اندر روحِ عشقِ آلِ محمد پیدا کرو۔ علیؑ جیسا نمازی ان کی چادر کے طفیل سے کہتا ہے کہ میں آج کامیاب ہوگیا۔ لہٰذا تم اور تمہاری نمازیں کیا ہیں۔ تمہارے اعمال کھوکھلے ہیں۔ جب تک ان میں روحِ عشقِ آلِ محمد نہ ہو۔ اللہ ہمیں مودتِ محمد و آلِ محمد عطا فرمائے۔ ہم اُن کے عشق و محبت کے ساتھ زندہ رہیں۔ اور ان ہی کی محبت کے ساتھ دم نکلے

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ

فھذا علی مولا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خداوند جل جلالہٗ وعزّ اسمہٗ کی حمد و ثنا کے بعد حضرات محمدؐ و آلِ محمدؐ پر درود و سلام

حضراتِ محترم !

دُنیا میں ہر واقعہ اپنے سابقہ واقعہ سے وابستہ ہے ۔ ہم جو کہتے ہیں کہ "فلاں واقعہ اتفاقاً ہوگیا" گویا اتفاقاً کے معنی ہیں سبب کا معلوم نہ ہونا ۔ ورنہ ہر واقعہ کا پہلے سے کوئی نہ کوئی سبب ضرور ہوتا ہے ۔ پھر رفتہ رفتہ وہ واقعہ رونما ہو جاتا ہے ۔ گویا جب چھوٹے سے چھوٹا واقعہ بھی بغیر سبب کے رونما نہیں ہو سکتا تو اتنا بڑا حادثہ عظیم جس کی مثال دنیائے انسانیت کی تاریخ میں مل ہی نہیں سکتی ۔ کیا یہ واقعہ اچانک ہو گیا؟ نہیں ، بلکہ اس واقعہ کا بھی بڑی دُور سے سبب چلا آ رہا تھا جو مخفی تھا ، اور جب یہ واقعہ ہُوا تب دُنیا کو پتہ چلا کہ ہو گیا ۔ گویا دنیا کو اس بات کا علم بھی نہیں تھا کہ سرزمین عرب میں ، اسی جہالت زار عرب میں ایک ایسا شخص بھی پیدا ہو جائے گا جس کی تمام کائنات کلمہ گو ہو جائے گی ۔ مگر قدرت اُس زمانے سے تمہید اُٹھا رہی تھی جہاں پہ اسماعیلؑ کو بسایا ۔ پھر اُن کی نسل کو آگے بڑھایا ۔ اس کے بعد اللہ نے اسی ملک میں ایک شریف خاندان پیدا کر دیا ۔ وہ عرب جن کے لئے لوٹ مار اور قتل و غارت باعثِ فخر تھا ۔ جو اپنی بچیوں کو زندہ دفن کرنا اپنا کمال سمجھتے تھے ۔ جن کی جہالت آج تک ضرب المثل ہے ۔ گویا عرب بڑے جاہل تھے

سامعین !

لفظ "جاہل" میں نے یونہی کہہ دیا ۔ میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں ۔ عرب جاہل نہیں تھے ۔ جاہل تو اُسے کہتے ہیں جو جانتا نہ ہو ۔

جاہل ہونا کوئی عیب نہیں ہے۔ دنیا میں کوئی ایسا انسان نہیں ہے
جو ہر بات جانتا ہو۔؟
(اب یہ بچے بڑی حسرت سے مجھے گھور رہے ہیں۔
زیدی صاحب! شرم کرو۔ منبر پہ بیٹھ کے غلط کہتے ہو۔ دنیا میں ایسے انسان
بھی ہیں جو ہر بات جانتے ہیں۔ ہمارے آئمہ کو دیکھو لو جو سب کچھ جانتے ہیں؟
میں کہتا ہوں "بچو! تم غلط کہہ رہے ہو۔ ہمارے آئمہ بھی سب
کچھ نہیں جانتے تھے۔ چند ایسی چیزیں مجھے معلوم ہیں جو وہ نہیں جانتے تھے
مثلاً جھوٹ بولنا وہ نہیں جانتے تھے۔ دھوکا دینا وہ نہیں جانتے
تھے۔ فریب دینا وہ نہیں جانتے تھے۔ یہ تمام باتیں تو آئمہ سے
زیادہ میں جانتا ہوں"
بہر نوع جاہل ہونا کوئی عیب کی بات نہیں ہے۔ جاہل انسان پڑھا اور
عالم ہو گیا۔ لہٰذا عربوں میں جہالت نہیں تھی بلکہ ان میں" جاہلیت" تھی۔ وہ زمانہ
جاہلیت تھا۔ جہالت چیز اور ہے اور جاہلیت چیز اور ہے۔ جہالت کے معنیٰ ہیں
"نہ جاننا" اور جاہلیت کے معنیٰ ہیں "نہ ماننا" گویا جو جہل رکھتا ہو مگر نہ جانتا
ہو اسے جاہل کہتے ہیں۔ اور جو سب کچھ جاننے کے بعد "نہ مانتا ہو" اسے
ابو جہل کہتے ہیں۔ یہ فرق ہے جاہل میں اور ابو جہل میں۔
بہر کیف عرب کے لوگ جاہل نہیں تھے۔ بلکہ ابو جہل تھے۔ ورنہ عرب تو اتنے
عالم تھے کہ ہر گھاس اور بوٹی کے خواص جانتے تھے۔ ان سے اپنا علاج کر لیتے تھے
اونٹوں گھوڑوں کی نسلیں سینکڑوں پشتوں تک معلوم تھیں۔ ورثے ہوئے پر نسے کو دیکھ
کر سمجھ لیتے تھے کہ یہ آشیانہ سے آ رہا ہے۔ یا آشیانہ کو جا رہا ہے؟ نشانِ قدم سے
پتہ چلا لیتے تھے کہ یہ کس کا نشان قدم ہے؟ یہ غمگین ہے یا خوش ہے؟۔ گویا اہل عرب
اتنا علم رکھنے والے تھے۔ فرق صرف یہ تھا کہ وہ ابو جہل تھے۔ کسی کی بات مانتے
نہیں تھے ــــــــ اب خدا نے ان نا ماننے والوں کے بیچ میں ایک

خاندان "بنی ہاشم" پیدا کر دیا اور اس خاندان کے تعارف کے لئے مقابلے میں ایک دوسرا خاندان پیدا کر دیا جسے خاندانِ "بنی امیہ" کہتے ہیں۔

زمانے کی ستم ظریفی دیکھو کہ مؤرخین کے قلم حکومت کی تلواروں سے بنتے رہے ہیں اور جس قوم کی تلواروں نے آلِ محمدؐ کے ساتھ انصاف نہیں کیا ہو ان کے قلم کیا انصاف کرتے۔ جس طرح مؤرخین نے "امیہ" اور "ہاشم" کو ایک ہی خاندان بنالیا۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ ہاشم اور خاندان سے تھے اور امیہ اور خاندان سے تھا۔ یہ چچازاد وغیرہ ہرگز نہیں تھے بلکہ امیہ تو ہاشم کا پالا ہوا ایک غلام تھا۔ غلام نوازی۔ خاندان بنی ہاشم کا شیوہ تھا اور امیہ کو اس شان سے پالا کہ آگے چل کر بیٹا مشہور ہو گیا ______ بہر نوع یہ دونوں خاندان اللہ نے عرب میں پیدا کر دیئے۔ شرافت و عظمت میں بنی ہاشم عرب بھر میں مشہور تھے اور سیاسی تدبیروں اور فریب دھی میں بنی امیہ مشہور تھے۔ چنانچہ اللہ نے اپنی حکمت سے خاندان بنی ہاشم کو چن لیا۔ تاکہ اپنا دین بھی اسی خاندان کے ذریعہ پہنچایا جائے اور اسی دین کی حفاظت کا کام بھی اسی خاندان سے لیا جائے۔ مبلغ دین بھی یہی خاندان ہو اور محافظ دین بھی یہی خاندان ہو۔ اس لئے اللہ نے بنی ہاشم کی دو شاخیں کر دیں ایک نسلِ عبداللہ، دوسری نسل ابی طالبؑ۔ ایک کے ذمہ حفاظت کرنا اور ایک کے ذمے تبلیغ کرنا۔ اللہ نے کہا:

دیکھو ابی طالبؑ! تمہارے ذمے حفاظت ہے تم ہمارے دین کی حفاظت کرو گے۔ ہمارے رسولؐ کی حفاظت کرو گے!

چنانچہ ابی طالبؑ کے ذمے اللہ نے یہ حفاظت سپرد کر دی۔ جس کی نشاندہی قرآن نے کی ہے: میں نے تجھے یتیم دیکھا اور تجھے حفاظت میں لے لیا۔

سامعین!

میں آپ سے پوچھتا ہوں۔ میرے پاس کالے رنگ کا ایک رومال

ہے جس کا میں بڑا خیال رکھتا ہوں کہ کہیں کھو نہ جائے لہٰذا مجلس میں یہ رومال میں کسی ایسے آدمی کے سپرد کرتا ہوں جو مجھے واپس کر دے؟ جب دو ڈھائی روپے کا کپڑا سپرد کرتے وقت میں یہ تلاش کرتا ہوں کہ آدمی ایماندار ہو، بے ایمان نہ ہو۔ (کبھی میری تلاش غلط بھی ہو جاتی ہے میں نے ایماندار سمجھا مگر وہ بے ایمان نکلا) - مگر اللہ جب کوئی شے کسی کے سپرد کرتا ہے تو اس کے چناؤ میں غلطی ہو سکتی ہی نہیں اب اللہ ابی طالبؑ کو اپنی سب سے قیمتی شے سپرد کرتا ہے کیا اللہ نے یہ دیکھ کے سپرد نہیں کیا ہوگا کہ ابی طالبؑ ایماندار ہے؟ ابی طالبؑ کو ایماندار سمجھا ہوگا جب ہی اتنی بڑی امانت دے دی۔ اب ایسے شخص کو اللہ جیسا معبود ایماندار سمجھتا ہو اسے ایماندار نہ سمجھنا بے ایمانی ہے یا نہیں؟۔ اللہ کو تو ابی طالبؑ پر اتنا یقین ہے کہ محمد جیسی امانت سپرد کر دی اور تم کہو کہ وہ صاحب ایماندار نہیں تھا ـــــ بہر نوع ایسی بات کہنا گویا اپنے آپ کو ایمان سے ہٹانا ہے۔

سامعین!

ایک دن میں نے عالم تصور میں حضرت ابی طالبؑ سے عرض کی:۔

"اے امیر العرب! بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ آپ کے پاس ایمان نہیں تھا"؟

میری یہ بات سنکر ابی طالبؑ ہنس پڑے:۔ میں نے عرض کی۔

"قبلہ! آپ ہنستے ہیں۔ یہاں ہماری روزانہ لڑائی ہوتی ہے کہ آپ ایماندار تھے یا نہیں؟"

ابی طالبؑ نے فرمایا:۔ میں ہنسوں نا تو کیا کروں۔ جس کے پاس جو شے ہو وہ دوسرے کو دیتا ہے۔ اللہ کے پاس نبوتؐ، رسالتؐ، امامتؑ، عصمت، شہادت اور ایمان تھا۔ وہ اس نے میرے سپرد

کر دیا اور تمہارے پاس درود وسلام ہیں وہ تم میری اولاد کو دے دیتے ہو۔ اور جن کے پاس ایمان نہیں ہے وہ ایمان مجھے کہاں سے دیں گے؟"

سامعین!

میرا مقصد فضائل ابی طالبؑ بیان کرنا نہیں ہے ورنہ فضائل ابی طالبؑ بیان کرنے کے لئے تو پورا عشرہ چاہیئے۔ بہر کیف ابی طالبؑ کے فضائل میں آج اتنا ہی فقرہ کہتا ہوں کہ۔

"ابی طالبؑ اتنی فضیلتوں کا انسان ہے کہ علی کا بھی باپ ہے"۔

گویا ابی طالبؑ اتنی بڑی فضیلت والا انسان ہے۔ اب اللہ نے محمدؐ کو ابی طالبؑ کے سپرد کر دیا اور ابی طالبؑ، محمدؐ کو اپنے گھر لے آئے اور فرمایا:۔

"بیٹا! آج سے تم ہمارے گھر رہو گے"۔

چنانچہ محمدؐ اپنے چچا کے گھر رہنے لگے۔ رات کو محمدؐ جب سوتے اور جب رات کے بارہ بجتے تو اس خطرے کے پیش نظر کہیں اچانک رات میں دشمن کوئی حملہ کر کے اسے نقصان نہ پہنچا دے۔ ابی طالبؑ سوتے ہوئے کو چپکے سے اٹھاتے اور اپنے کسی بیٹے کے بستر پہ سلا دیتے اور اپنے بیٹے کو محمدؐ کے بستر پہ سلا دیتے تاکہ اگر اچانک حملہ ہو تو بے شک میرا بیٹا مارا جائے۔ مگر محمدؐ بچ جائے: اتنی اہمیت سے جو محمدؐ کی حفاظت کر رہا ہو اسے ایماندار نہ ماننا گویا اپنے آپ کو ایمان سے ہٹانا ہے یا نہیں؟۔

ابی طالبؑ نے یہ عمل ایک دو دن نہیں کیا بلکہ برسوں کیا کہ اپنے بیٹے کو محمدؐ کے بستر پہ سلا دیتے تاکہ دشمن کے حملے سے میرا بیٹا بے شک مارا جائے مگر محمدؐ کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔

اب اگر آپ کہیں ابی طالبؑ کے بیٹے کو محمدؐ کے خطرناک بستر پہ سوتا دیکھیں تو سمجھ لیں کہ یہ باپ کی ڈلوائی ہوئی عادت کی تاثیر ہے۔

گویا ابی طالبؑ نے اپنی زندگی میں اپنے بیٹوں کو محمدؐ کے خطرناک بستر پہ سونے کی مشق کروا دی تھی۔

بہر نوع اس شان سے ابی طالبؑ اپنے بھتیجے کی حفاظت فرما رہے تھے۔

ایک دن محمدؐ نے اہل عرب کو بلایا اور فرمایا:۔

"عرب بھائیو! کیا میں صادق ہوں؟"

اُنھوں نے جواب دیا" جی ہاں۔ آپ صادق ہیں"

رسولؐ نے پُوچھا" میں نے کبھی جھُوٹی بات تو نہیں کہی؟"

لوگوں نے جواب دیا" بالکل نہیں"

آپ نے فرمایا" اگر میں یہ کہوں کہ پہاڑی کے پیچھے ایک فوج تم پر حملہ کرنے آ رہی ہے۔ تو تم مان جاؤ گے"؟

لوگوں نے کہا" جی ہاں۔ مان جائیں گے"

رسولؐ پوچھتے ہیں۔ "کیا تمہیں وہ فوج نظر آ رہی ہے"؟

انہوں نے جواب دیا" قبلہ! ہمیں چاہے نظر آئے یا نہ آئے مگر آپ جو کہہ رہے ہیں۔ ہم آپ کی بات نہیں جھٹلا سکتے۔ ہمیں نظر نہیں آتا۔ یہ ہماری آنکھ کا قصور ہے جبکہ آپ جو کہہ رہے ہیں اس لئے ماننا پڑے گا"۔

اَب رسولؐ نے فرمایا" اگر تم مان لو گے تو میری ایک بات مانو کہ ——— خدا ایک ہے"

انہوں نے کہا" جناب! یہ کیا فرمایا آپ نے؟"

رسولؐ نے کہا" کہو۔ خدا ایک ہے"

" جناب ——— بات یہ ہے کہ خدا ——— اچھا کل بتائیں گے"

اگلے دن پھر آ گئے۔ رسولؐ نے پھر اُن سے پوچھا۔

" بتاؤ۔ میں صادق ہوں؟"

انھوں نے جواب دیا۔ جی ہاں۔ آپ صادق بھی ہیں اور امین بھی ہیں
رسُول نے فرمایا۔ پھر کہو کہ خدا ایک ہے ؟
انھوں نے کہا۔ جناب بات یہ ہے کہ خدا......... اچھا کل"
(اسے کہتے ہیں ابو جہل ـــ جھگڑا بھی نہیں کرتے اور مانتے بھی نہیں)
بہر نوع۔ جب کئی دن گذر گئے ـــــــ اللہ نے کہا۔
"محمد ! سنتے بھی ہو۔ اس طرح تو برسوں گذر جائیں گے اور یہ نامراد "ہاں" نہیں کریں گے۔ تم میرے بتائے ہوئے طریقے سے ان سے "ہاں" کرواؤ !
خداوندا۔ وہ کیسے ؟
اللہ نے کہا۔ "ان سے یہ پوچھو کہ خدا ہے بھی یا نہیں ؟ ایک دو کی بات چھوڑ دو ـــــ
چنانچہ رسُول نے انہیں بُلا کے پوچھا۔ "کیوں بھئی ! خدا ہے ؟"
انھوں نے کہا۔ "جی ہاں"
رسُول نے فرمایا۔ "جاؤ۔ بس اتنا ہی پوچھنا تھا"
لوگ بڑے خوش ہوئے۔ کہ "محمد اب ایک والی بات نہیں کہتا"۔
اگلے دن پھر بلایا تو پہلے سے زیادہ تعداد میں لوگ تشریف لائے۔
رسُول نے پوچھا۔ "کل کا سبق سناؤ ؟"
انھوں نے کہا۔ "خدا ہے"
رسُول نے فرمایا۔ "شاباش۔ ٹھیک۔ یہی تمہارا کل کا سبق تھا۔
اچھا یہ بتاؤ۔ جو خدا ہے وہ عزت والا ہے یا بے عزت ؟
انھوں نے کہا۔ "خدا بڑی عزت والا ہے"
"رسُول نے فرمایا۔ "شاباش ـــ جاؤ"
لوگ بہت خوش ہوئے۔ محمد اب ایک والی بات نہیں کہتا۔ دوسرے دن

پھر بلایا۔ "سبق سناؤ؟"

انہوں نے کہا، "خدا ہے —— اور عزت والا ہے"

رسولؐ نے فرمایا، "اچھا۔ یہ بتاؤ کہ خدا کی عزت باپ کے برابر ہے یا نہیں؟"

انہوں نے کہا، "جی ہاں۔ خدا کی عزت باپ کے برابر ہے"

رسولؐ نے فرمایا، "جاؤ چھٹی۔ سبق ختم ہوگیا۔ اب وہ بہت خوش ہیں کہ محمدؐ ایک والی بات نہیں کہتا۔ چھٹے دن پھر بلایا۔ پوچھا، "سبق سناؤ"

"حضور! خدا ہے۔ عزت والا ہے اور اس کی عزت باپ کے برابر ہے"

رسولؐ نے کہا پھر سناؤ"

"قبلہ! خدا ہے۔ عزت والا ہے۔ اور اس کی عزت باپ کے برابر ہے"

جب پانچ سات دفعہ محمدؐ نے ان سے کہلوا دیا کہ خدا کی عزت باپ کے برابر ہے —— تو فرمایا، "اچھا یہ بتاؤ باپ ایک ہے یا دو ہیں؟"

اب چونکہ وہ باپ کہہ چکے تھے اس لئے سوائے ایک کہنے کے اور کوئی چارہ ہی نہیں تھا۔ مگر وہ خاموش ہوگئے۔

سامعین!

اب آپ کہیں گے کہ زیدی صاحب نے یہ بات گھڑ کے مجلس میں سنا دی۔ میں کہتا ہوں۔ اس شخص سے بڑا آدمی کوئی ہے ہی نہیں جو منبر پہ بیٹھ کر جھوٹ بولتا ہے۔ اگر کسی کو یقین نہ آئے تو کسی مولوی سے پوچھو کہ قرآن میں یہ آیت ہے کہ،

(یاد کرو اللہ کو جس طرح یاد کرتے ہو اپنے باپ کو)

اس کے یہ معنٰی ہرگز نہیں کہ اللہ کو تم قبلہ و کعبہ کہا کرو مدظلہ کہا کرو۔ بلکہ جس طرح تم کبھی یہ نہیں ماننے لگے کہ باپ دو ہیں اسی طرح کبھی یہ بھی نہ مانو کہ اللہ دو ہیں۔

"اقربا نے" اب جو وہاں سے لوٹے تو بڑے شرمندہ تھے۔ سوچا

یہ کیا ہُوا ۔ بات ہی کچھ اور ہو گئی ۔ یہ تو قصہ ہی کچھ اور بن گیا لہٰذا اُدھر وہ دشمنی پہ تل آئے اور محمّد کے خون کے پیاسے ہو گئے ۔ اِدھر ابی طالبؑ محمّدؐ کی حفاظت کر رہے ہیں ۔

سامعین ! محمّد سے تو سب کو پیار ہے اس لئے کہ وہ صادق بھی ہے اور امین بھی ہے ۔ ملک کی عزت بھی ہے ۔ مگر ابی طالبؑ سے سب کو عداوت ہے کہ یہ حفاظت کیوں کرتا ہے ۔

حضورِ والا !

ایک مکان میں سونا رکھا ہے ، چاندی رکھی ہے جواہرات رکھے ہیں اور سامنے ایک چوکیدار حفاظت کے لئے کھڑا ہے اب جو ڈاکو آئیں گے وہ سونے ، چاندی سے تو محبت کریں گے ۔ جب ہی تو اُسے لینے آئیں ہیں مگر قتل کِسے کریں گے ؟ چوکیدار کو ۔ مارا بیچارا محافظ جائے گا ۔

گویا محمّد کا کلمہ پڑھیں گے اور محافظ کو قتل کریں گے ۔ یہی دنیا میں ہوتا ہے ۔ اللہ نے کہا ۔

محمّد ! میری بات سُن ۔ عوام سے گفتگو نہ کر ۔

((سب سے پہلے اپنے ،، اقربین ،، کو سمجھاؤ))

سامعین !

جب یہ آیت نازل ہوئی کہ اپنے ،، اقربین ،، کو بلاؤ تو محمّد نے اپنے چھوٹے بھائی علیؑ ابن ابی طالبؑ کو حکم دیا : یا علی ! میرے اقربین کو میرے گھر آنے کی دعوت دو : چنانچہ علی نے جا کے عبدالمطلب کی تمام اولاد کو دعوت دے دی ۔ کہ چلو آج محمّد کے گھر میں تمہاری دعوت ہے ۔ چنانچہ سب آ گئے تیس ۳۰ پینتیس ۳۵ تو مرد آ گئے ۔ پانچ سات عورتیں جو اقربین تھے وہ سب اکٹھے ہو گئے ۔ مردوں کی فہرست تو آپ کو یاد ہی ہو گی ۔ اس میں حضرت ابولہب

بھی تھے۔ عتبہ بھی تھے، عتیبہ بھی تھے، شعبہ بھی تھے۔ آخر سب اقربین تھے۔
کافر ہوں تو کیا ہے۔ اقرب تو تھے ہی۔ یہ اور بات ہے کہ ع ہے "عقرب" تھے۔
مگر تھے اقرب ـــــ اور قاشنات کے پیچھے مستورات آ بیٹھیں۔ جن کی فہرست
تاریخ والوں نے ہم تک پہنچا دی۔ مورخین یہ بتاتے ہیں کہ ان خواتین میں ایک
تو فاطمہ بنت اسد بیٹھی تھیں۔ ایک صفیہ بنت عبدالمطلب بیٹھی تھیں۔ ایک ام ہانی بنت
ابی طالبؑ بیٹھی اور ایک چھ مہینے کی بچی بھی تھی۔ یہ کون ہے؟ یہ محمدؐ کی بیٹی فاطمہؑ ہے۔

حضورِ والا!

خدا شاہد ہے۔ میں نے عینکیں لگا کے دیکھا۔ ایک ایک لفظ کو ٹٹول
کے پڑھا۔ مگر عورتوں کی فہرست ختم ہو گئی۔ میں حیران پریشان ہو گیا۔
کہ جب "اقرب" بلائے گئے ہیں تو محمدؐ نے چھ مہینے کی بیٹی کو تو بلا لیا
مگر اس کی بڑی بہنوں کو کیوں نہ بلایا۔ سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ گویا وہ
آج نہیں ہیں تو آئندہ بھی نہیں ہیں۔

بہر نوع۔ وہ تمام مرد اور عورتیں رسولؐ کے اپنے گھر میں تشریف لے آئے
سامعین سے! لفظ "اپنے گھر" کو بھی منظور نظر رکھنا۔ رسولؐ نے کسی اور جگہ نہیں
بلایا بلکہ اپنے گھر میں بلایا۔ یہ رسولؐ کا اپنا گھر کہاں سے آیا؟ ـــــ مورخین نے
ہمیں بتایا ہے کہ عبداللہ جو رسولؐ کے باپ تھے انہوں نے یہ گھر بنایا تھا۔ چونکہ
محمدؐ ان کے بیٹے تھے اس لئے وہ اس گھر کے مالک تھے۔ ہم نے کہا "سبحان اللہ"
باپ کا گھر تھا۔ رسولؐ کا اپنا گھر تھا۔ مگر عقل یہاں حیران ہو گئی کہ رسولؐ کو باپ
کا گھر مل گیا۔ اپنا گھر بن گیا۔ ادھر ہم نے یہ سُنا ہے کہ "رسولؐ نہ وارث ہوتے ہیں
اور نہ ہی اُن کا کوئی وارث ہوتا ہے"۔

بہر نوع۔ رسولؐ نے اپنے اقربین کو اپنے گھر بلا کر بٹھا لیا اور سامنے بیٹھنے والوں
کا حال یہ تھا کہ:-

(ایسے چپ بیٹھے تھے کہ جیسے سروں پہ پرند) (قرآن)

سوچ رہے تھے۔ اللہ جانے آج کیوں بلایا ہے، پہلے اُن کے سامنے کھانا رکھا گیا۔ جب وہ کھانا کھاچکے تو آپ نے فرمایا۔

"میرے اقربیٰ! میں کچھ کہنا چاہتا ہوں"

انھوں نے کہا۔ فرمائیے"۔ رسُول کھڑے ہوئے اور یہ حضوؐر کی پہلی طور پر پہلی تقریر تھی۔ فرمایا۔

"اے اولاد عبدالمطلب! تم میرے اقرب ہو۔ تم میرا خاندان ہو۔ تم میرا خون ہو۔ تم میرے عزیز ہو۔ تم میرے اپنے ہو۔

سامعین!

لفظ "اپنا" مرکز محبت ہوتا ہے۔ جہاں لفظ "اپنا" آجائے خود بخود پیار پیدا ہوجاتا ہے جس طرح اپنا گھر، اپنا وطن، اپنا دیس، اپنا کنبہ اپنا قبیلہ، اپنا مذہب، اپنا بھائی وغیرہ ——— گویا لفظ "اپنا" مرکز محبت ہے۔ جب "اپنا" کہو تو لب سے لب ملتا ہے اور غیر کہو تو نہیں ملتا۔ اتنی لذت ہے۔ لفظ "اپنا" میں۔

رسُول نے کہا "تم میرے اپنے ہو۔ میں تمہیں اپنا سمجھ کے ایک بات کہنا چاہتا ہوں کہ میں اللہ کی طرف سے ایک ایسا پروگرام لیکر آیا ہوں کہ اگر تم نے اس پر عمل کرلیا تو دنیا کی خیر بھی تمہیں حاصل ہوگی اور عقبےٰ کی خیر بھی تمہیں حاصل ہوگی۔ میرے پروگرام میں دنیا و عقبےٰ دونوں شامل ہیں۔ میں ایسی شے تمہارے لئے لیکر آیا ہوں ——— اور یاد رکھو! میرا پیغام اتنا عجیب ہے کہ اگر تم نے مان لیا تو قیصر و کسریٰ کے تاج تمہارے قدموں کے نیچے ہوں گے۔ دنیا کی حکومتیں تمہارے تابع فرمان ہوں گی۔ ساری کائنات تمہارا کلمہ پڑھے گی"۔ ——— رسُول کا یہ فرمانا تھا کہ حضرت ابولہب نے عتبہ کی طرف دیکھا اور عتبہ نے شعبہ کی طرف دیکھا۔ داڑھیوں پہ ہاتھ پھیرنے لگے اور بولے "برخوردار! تمہیں کیا ہوگیا؟ پیسہ پاس نہیں ہے اور کہتے ہو" قیصر و کسریٰ۔ تابع فرمان ہوجائیں گے"۔

کیسی فضول بات ہے۔ تمہاری مدد کرکے خواہ مخواہ کو مصیبت اٹھانی ہے۔ چلو۔ گھر چلیں۔ چنانچہ وہ اٹھ کے چلے گئے۔

محمدؐ نے اگلے دن اپنے اقربین کو اپنے گھر پھر بلایا۔ جب تیسرا دن تھا اور وہ کھانا کھا چکے۔ رسولؐ تقریر کرنے کھڑے ہوئے۔ اب اگر آج بھی کوئی جواب نہ دیتا تو دنیا یہ کہتی کہ محمدؐ کی تقریر میں اثر نہیں تھا جب ہی تو کسی نے جواب نہ دیا۔ آج رسولؐ تقریر کرنے کھڑے ہوئے۔

"لوگو! میں ایسی شے لیکر آیا ہوں جو دین و دنیا میں تمہارے فلاح کی ضامن ہے۔ تم میں سے کون ہے جو اس معاملے میں میری مدد کرے"

بس رسولؐ کا یہ کہنا تھا کہ "کوئی ہے جو میری مدد کرے" تو اچانک مجمع میں ہلچل مچ گئی۔ لوگوں کے چہرے بدل گئے۔ سامعین کا انداز ہی کچھ اور ہوگیا۔ دور ایک کونے میں سے ایک گیارہ سال کا بچہ اٹھا اور ایڑھیاں اٹھا کے کھڑا ہوگیا۔ مورخین نے اس بچے کا حلیہ یوں بیان کیا ہے کہ۔ "کرتے کے بٹن کھلے ہوئے تھے۔ جیب میں خرمے بھرے ہوئے تھے۔ آنکھیں دکھ رہی تھیں۔ ان میں آشوب کی وجہ سے سرخی آئی ہوئی تھی۔ پیٹ میں تلی تھی اور پیروں پہ کھیلنے کی گرد پڑی ہوئی تھی" ــــ گویا بالکل بچپن کی ادا تھی اور بچپن کی اس ادا سے کھڑے ہو کر کہتا ہے "قبلہ! ذرا اب کے فرمائیے۔ آپ نے کیا کہا ہے؟"

رسولؐ نے فرمایا۔ بیٹا! میں یہ کہہ رہا تھا کہ میں ایسا پیغام لایا ہوں جو دین و دنیا، دونوں کی فلاح کا باعث ہوگا۔ کون ہے جو میری مدد کرے؟

رسولؐ کا یہ کہنا تھا کہ "کون ہے جو میری مدد کرے" کہ بچے نے تو ایڑھیاں اٹھالیں اور پوری آواز سے کہا

(میں تیری نصرت کروں گا اے اللہ کے رسولؐ)

سامعین!

"اے محمدؐ" نہیں کہا بلکہ "اللہ کا رسولؐ" کہا۔ اگر محمدؐ کہہ کے وعدہ

کرتے تو محمد کی زندگی تک وعدہ تھا۔ مگر رسولؐ کہہ کر وعدے کے معنیٰ یہ ہیں کہ جب تک تیری رسالت رہے گی میری نصرت بھی رہے گی "۔
بہر نوع اس جوش سے بچے نے یہ فقرہ کہا کہ تیس ۳۰، پینتیس ۳۵ آدمیوں کا مجمع جو رسولؐ کی طرف دیکھ رہا تھا اچانک اس بچے کی طرف دیکھنے لگا۔ رسولؐ مسکرانے لگے۔

"قبلہ مسکراتے کیوں ہو؟"

رسولؐ فرماتے ہیں "میں مسکراتا اس لئے ہوں کہ میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ جب مجھ سے نظر ہٹے تو اس پہ رُکے"۔

رسولؐ نے کہا "بیٹا! قریب آؤ"۔ —— جب برخوردار قریب آکے کھڑے ہوتے تو آپؐ نے پوچھا۔

"تم نے ہماری بات غور سے سُنی؟"

جواب دیا "ہاں۔ سُنی"

"اچھی طرح سوچ لو"۔

"ہاں سوچ لیا"

"خوب سمجھ لو"

"سمجھ لیا"

"بیٹا! یہ بچوں کا کھیل نہیں ہے"

"قبلہ! میں نے جان پہ کھیل کے کہا ہے"

"بیٹا! یہ بڑا مشکل کام ہے"

"قبلہ! میں مشکل کشا ہوں۔ فکر نہ کرو۔ تیرے دشمنوں کے پیٹ پھاڑ دونگا۔ تیرے دشمنوں کی آنکھیں پھوڑ دوں گا۔ پرواہ نہ کر۔ آج سے میں تیرا ناصر ہوں جو کہنا چاہتے ہو کہو۔ کیا مجال کسی کی جو تیرے پروگرام میں رکاوٹ ڈالے"

بچہ یہ کہہ رہا تھا اور ابی طالب سر جھکاتے ہوئے "الحمدللہ" کہہ رہے تھے۔
"یا اللہ! تیرا شکر ہے۔ کیا سپوت بیٹا تو نے مجھے عطا کیا ہے"

بہر نوع ۔ مجمع برخاست ہوگیا ۔ اب جو رسولؐ گھر سے باہر نکلے ۔ پیچھے پیچھے یہ بچہ جیب میں خرمے بھرے ہوئے محمدؐ کے ساتھ چلا جارہا ہے ۔ ایک خرما کھاتا ہے اور گٹھلی دوسری جیب میں ڈال لیتا ہے (بالکل بچپن کی ادا) اب جو رسولؐ کے بازار میں پہنچے تو بازاری لوگوں نے رسولؐ کا مذاق اڑانا شروع کردیا —— ادھر بچہ بھی محمدؐ سے نصرت کا وعدہ کرکے آیا تھا ۔ اب جو کسی نے ذرا بھی کوئی فقرہ کہا تو بچے نے اپنی جیب سے فوراً ایک گٹھلی نکالی اور تاک کے اُسے ماردی جو مذاق کررہا تھا ۔ سینے پہ لگی تو کمر توڑ کے نکل گئی ۔ بس دو تین کے ساتھ یہ کیا تھا لوگ کان پکڑ گئے ، توبہ کرگئے کہ اگر یہ بچہ ساتھ ہوا تو ہم محمدؐ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے ہیں —— گویا اس میں اور محمدؐ میں فصل ہو تو پھر ہم کچھ بگاڑ سکتے ہیں ۔ ورنہ اگر یہ بچہ بغیر فصل کے ساتھ ہو تو پھر ہم کچھ نہیں بگاڑ سکتے ۔

سامعین !

ایک دفعہ یہ بات میں نے مجلس میں کہہ دی ۔ سننے والوں نے کہا ۔ " بالکل جھوٹ ۔ تمہیں شرم نہیں آتی ، منبر پہ بیٹھے جھوٹ بولتے ہو " میں کہتا ہوں " صاحب ! جو منبر پہ بیٹھ کے جھوٹ بولتا ہے اس کے برابر کا کوئی بُرا ہے ہی نہیں "

پھر انہوں نے کہا " زیدی صاحب ! یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ گیارہ سالہ بچے کے ہاتھ میں اتنی طاقت آجائے کہ خرمے کی گٹھلی سے کمر ٹوٹ جائے ۔ لہٰذا ہم نہیں مانتے "

میں کہتا ہوں " بھئی ، نہیں مانتے تو نہ مانو ۔ زبردستی تھوڑی ہے ؟ تمہارے نہ ماننے کا کوئی علاج نہیں ہے کہ علیؑ کے ہاتھوں میں اتنی طاقت کیسے آسکتی ہے —— مگر قرآن میں یہ لکھا ہوا ہے کہ " جب خانہ کعبہ کو ڈھانے کے لئے ہاتھی آگئے تو ابابیل نے پنجے میں مسور کے دانے کے برابر کنکر لے کر پھینکے جن سے ہاتھی

ڈٹ گئے:

سامعین!

اگر علیؑ والی یہ بات غلط ہے تو ابابیل والی بات میری سمجھ میں نہیں آتی لہٰذا جو دلیل اس کی ہے وہی دلیل اس کی ہے:

اب معترض کہتا ہے "جناب۔ وہ تو بیت اللہ کی حفاظت تھی"!

میں کہتا ہوں "بھئی۔ اگر وہ بیت اللہ کی حفاظت تھی تو یہ رسُول اللہ کی حفاظت تھی"،

بہرنوع۔ بنی ہاشم کا خاندان دونوں کام کرتا رہا۔ تبلیغ کا کام بھی اور حفاظت کا کام بھی ——— رسُول نے بچے کو بلایا، سینے سے لگایا۔ پیار کیا۔ "بیٹے! تم نے بڑا وعدہ کیا ہے"۔

بچے نے جواب دیا "قبلہ! میرا وعدہ رہا کہ میں آپ کی نصرت کروں گا"۔

رسُول نے کہا "اچھا تو پھر میری بات سُن۔ اگر تو اپنے اس وعدۂ نصرت میں ثابت قدم رہا تو "اَنتَ وَصِیّ" (تو میرا وصی ہوگا)۔ "اَنتَ وَزِیر" (تو میرا وزیر ہوگا اور میرے بعد میرے اس مشن کا انچارج بھی ہوگا)

چنانچہ دونوں اطراف سے وعدے ہو گئے۔ ایک طرف سے گیارہ سالہ بچہ وعدہ کرتا ہے کہ میں نصرت کروں گا اور ایک طرف سے تینتالیس سالہ رسُول وعدہ کرتا ہے کہ تو میرا وصی ہے۔ تو میرا وزیر ہے۔ تو میرے مشن کا انچارج ہے گویا فریقین سے معاہدہ ہو گیا۔

سامعین!

اب یہ بتاؤ۔ وعدہ سے پھر جانے کا احتمال کس طرف سے ہے؟ ——— بچے کی طرف سے ——— اور اگر بچہ اپنے وعدہ پر قائم رہے تو رسُول کے متعلق تو یہ شک بھی نہیں کر سکتے کہ (معاذ اللہ) وہ اپنے کئے ہوئے وعدہ سے پھر جائے۔ اب اگر علیؑ اپنے وعدہ پہ قائم رہے ہیں تو رسُول کا بھی تو فرض ہے

کو اپنا وعدہ وفا کر کے جائیں اور علیؑ کو اپنا وصی بنا کر جائیں۔ اور اگر رسُول بغیر بتائے چلے جائیں تو ہم غریب آدمی تو کچھ نہیں کہیں گے۔ مگر اللہ تو کہہ دے گا کہ محمد! اگر تو نے یہ کام نہ کیا تو میں یہ سمجھوں گا کہ تو نے رسالت کا کوئی کام ہی نہیں کیا۔ لہٰذا وعدہ وفا کر کے جاؤ ورنہ رسالت خطرے میں ہے۔"

رسُول نے کہا، "خداوندا۔ میں وعدہ وفا کر کے جاؤں گا۔ حالانکہ میں نے یہ وعدہ اپنے "اقربین" میں کیا ہے۔ مگر میں اس وعدے کو دُنیا کے سامنے پورا کروں گا۔ تاکہ عالم گواہ رہے میری اس بات کا کہ میں اپنے وعدے کو پُورا کر رہا ہوں۔"

حضورِ والا!

وہ وقت بھی آگیا۔ اللہ نے کہا:۔

"محمد! آج سے بہتر دن نہیں ملے گا۔ آج اپنے وعدے کو وفا کر کے جاؤ کیونکہ بہترین موقعہ ہے۔ ابھی ابھی لوگ حج کر کے آئے ہیں، اللہ کا گھر دیکھ کے آئے ہیں۔ خانہ کعبہ کا طواف کر کے دُنیا کے چکروں سے نکل آئے ہیں۔ صفا و مروا میں دوڑ کے زمانے کی دوڑ بھاگ کو بھول گئے ہیں۔ عرفات میں بیٹھ کے معرفت کی منزلیں طے کر لی ہیں۔ منیٰ میں قربانی دے کر قربان ہونے کا جذبہ سیکھ لیا ہے۔ شیطان کو کنکریاں مار کر بُروں سے نفرت اور اچھوں سے محبت بھی سیکھ لی ہے۔ سب کے سر بھی منڈے ہُوئے ہیں کسی میں بال برابر کا فرق نہیں ہے۔ ابھی ابھی اللہ کے سامنے لبیک کہہ کے آئے ہیں۔ ان حاجیوں سے بہتر مجمع اور کہاں ملے گا لہٰذا آج اپنا وعدہ وفا کر لو آج وہ بات کہہ دو جو اُس دن کہی تھی۔"

رسُول نے فرمایا، "بہت اچھا"

لاکھوں کی تعداد میں حاجی رسُول کی قیادت میں جا رہے ہیں، اونٹ سرمست ہو کے چل رہے ہیں۔ شہسواروں کے گھوڑے زمین پہ قدم نہیں رکھتے۔ ان کے نال پتھروں سے ٹکرا کے چراغاں کا منظر پیش کر رہے ہیں۔ حاجی خوش ہیں کہ ہم نے رسُول کی قیادت میں حج کیا۔

بہر نوع۔ رسُول کی قیادت میں حاجیوں کا قافلہ اِدھر سے چلا اور جبرئیل کی قیادت میں آیتوں کا قافلہ اُدھر سے چلا۔ دونوں قافلے خُم پہ آ کے مل گئے۔ اُدھر سے آیتوں کا قافلہ۔ اِدھر سے حاجیوں کا قافلہ۔ آفتاب نصف النہار پر ٹھہرا ہوا۔ جبرئیل کی آج وضع کچھ اور تھی۔ اس سے پہلے بھی جبرئیل کئی بار رسُول کے پاس آیا کرتا تھا اور عرض کرتا۔

"یَاأَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ" ـــــ "یَاأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ" ـــــ "آپ مزمل ہیں۔ آپ مدثر ہیں" ـــــ مگر آج جبرئیل اپنی سرکاری وردی پہنے ہوئے۔ پوری شان و شوکت سے آیا اور آ کے رسُول کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

یَاأَيُّهَا الرَّسُولُ !" ـــ آج جبرئیل نے مدثر، مزمل کہہ کر نہیں پکارا بلکہ عہدے سے خطاب ہو رہا ہے۔

"یَاأَيُّهَا الرَّسُولُ !"

"اے رسُول۔ دیکھو، اُترو"

رسُول گھوڑے سے اُترے مگر اُترنے میں فرق تھا۔ کوئی دل میں اُتر گیا اور کوئی دل سے اُتر گیا اور بن کی بن آئی جس میں رسُول اُتر گئے، جنگل کی قسمت جاگ اُٹھی جس میں رسُول اُتر گئے ..... تمام حاجی اکٹھے ہو گئے۔ عرض کی۔

"قبلہ! بات کیا ہے؟

آپ نے مؤذن کو حکم دیا، آج اذان میں "حَیَّ عَلٰی خَیْرِ الْعَمَلِ" کہو باقی عمل تو سارے تمہیں بتا چکا ہوں۔ آج تمہیں "خیر العمل" بتایا جائے گا (چونکہ یہ فقرہ اسی واقعہ کی یادگار ہے۔ اس لئے جزو اذان بن گیا) آج تمہیں

"خَیْرِ الْعَمَلْ" بنایا جائے گا۔ چنانچہ تمام حاجی سمٹ سمٹ کے رسُولؐ کے گرد اکٹھے ہو گئے، سُورج کی شعاعیں تیز ہیں۔ عربوں نے اپنی عبائیں نیچے رکھی ہیں۔ رسُولؐ کی بات سُننے کے لیے سب تیار ہیں۔

"اللہ جانے رسُولؐ کیا کہیں گے؟"

جبرئیل نے کہا "محمدؐ! ہمارے سامنے وہ بات کہو تاکہ ہم بھی سُنیں"

چنانچہ رسُولؐ نے حکم دیا "منبر بنایا جائے" حاجیوں نے عرض کی:

"قبلہ! گھوڑوں کی زین اکٹھی کر کے جگہ بنا دیں؟"

فرمایا "نہیں"۔

"لکڑیاں کاٹ کے بنا دیں؟"

فرمایا "نہیں اونٹوں کے پلانوں کا منبر بنایا جائے"

حاجیوں نے عرض کی۔ قبلہ! اونٹوں کے پلانوں میں کیا خصوصیت ہے؟

رسُولؐ نے فرمایا "اس لیے کہ شتر کینوں سے بات کرنی ہے"

بہر نوع۔ پلانِ شتر کا منبر بن گیا اور رسُولؐ اس پہ آکے کھڑے ہو گئے۔ مجمع چاروں طرف سے سمٹ کے قریب آ گیا۔ رسُولؐ نے حاجیوں کو دیکھا پھر وہی خلق عظیم والی لبوں پہ مسکراہٹ، چہرے پہ تحیرا، نہایت لطافت و نفاست کے ساتھ۔ حاجیوں کے اس مجمع پر ایک نظر ڈالی۔ بس رسُولؐ کی نظر کی یہ تاثیر تھی۔ کہ لوگ تو سرمست ہو گئے "اللہ جانے۔ رسُولؐ آج کیا فرمائیں گے"

یہاں تک کہ تین سو برس کا سلمانؓ کمر پہ ہاتھ رکھ کے کھڑا ہو گیا کہ "رسُولؐ آج کیا کہے گا" اور ابوذرؓ یہ کہے کہ میں آج تمام صاحب زر کو فنا کر دوں گا۔

"رسُولؐ آج کہتا کیا ہے؟"

بہر نوع۔ جب لوگ چاروں طرف سے رسُولؐ کے گرد اکٹھے ہو گئے تو رسُولؐ نے کہا:

○ اے عرب والو! اگر واعظ کروں گا تو گھبرا جاؤ گے۔ لہٰذا آج

میں تم سے میٹھی میٹھی باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ تم پینے کے عادی تھے میں نے تم سے چھڑوا دی۔ مگر آج اگر مناسب سمجھو تو ہم پلائیں گے۔ پیو گے؟"

لوگوں نے بلند آواز سے کہا۔ حضور پیئیں گے"

رسول نے فرمایا۔ دیکھو۔ سُن کے پی نہ جانا"

بس پینے کا اعلان تھا کہ تمام متوالے اکٹھے ہو گئے۔ چاروں طرف رسول کے متوالوں کا مجمع لگ گیا۔ وہاں ہر قسم کا متوالا موجود ہے سیدھی مت والے بھی اور الٹی مت والے بھی۔

بہر نوع۔ متوالے اکٹھے ہو گئے اور ساقی نے پلانا شروع کر دیا۔ مے خانہ ازل کا ساقی! کچھ آنکھوں آنکھوں میں پلائی۔ کچھ باتوں باتوں میں پلائی۔ کچھ ہنس کے پلائی۔ کچھ گفتگو سے پلائی۔ جب لوگوں کا نشہ پورے عروج پہ پہنچا تو ساقی نے لے کے "ترابی" ساغر اٹھایا۔ لوگوں نے گردنیں بلند کر دیں (خدا جانے۔ عجیب نقشہ ہو گا اس زمانے اگر کیمرہ وغیرہ موجود ہوتا اور اس منظر کی تصویر لی جاتی تو اتنا لطیف مجمع کہیں دیکھنے میں نہ آتا) ترابی ساغر ہاتھوں پہ بلند کئے ہوئے رسول لوگوں سے پوچھ رہے ہیں۔

"پیو گے؟"

لوگوں نے کہا۔ حضور! ضرور پیئیں گے۔ آپ جو پلا رہے ہیں؟

"دیکھو! یہ دیسی نہیں ہے۔ یہ تمہاری بنائی ہوئی نہیں ہے بے ہوش کرنے والی نہیں ہے بلکہ خالص "ولایت" کی شراب ہے

(مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَھٰذَا عَلِیٌّ مَوْلَاہُ)

حضور والا!

اردو زبان کا کوئی شاعر عالم ارواح میں اس منظر کو دیکھ رہا تھا اُس نے ساقی کو پلاتے بھی دیکھا اور پینے والوں کو بھی دیکھا اور ہی

نقشہ کھینچ دیا اپنے شعر میں ۔

رسولؐ اپنے ہاتھوں پہ ترابی ساغر اٹھائے کھڑے ہیں اور کہہ رہے ہیں "پیئو گے؟" ______ لوگ کہتے ہیں "پییں گے" ۔

اور شاعر نے کہہ دیا ۔ ؎

لے کے خود پیرِ مغاں ہاتھ میں مینا آیا
لیکن اے بادہ کشو! تم کو نہ پینا آیا

رسولؐ نے کہا "یاد رکھو! قیامت تک اس کا نشہ نہیں اترے گا۔ یہ اُس وعدہ کی وفا ہے جو میں نے اعلانِ رسالت کے وقت کیا تھا"

رسولؐ کی تقریر ختم ہوئی ۔ لوگوں نے جنابِ امیرؑ کو مبارک بادیں دینا شروع کیں۔ ایسے ایسے خلوص سے مبارک بادیں دی جا رہی تھیں کہ خدا جانے تمھیں بھی یاد رہیں گی ۔

بہرنوع ۔ رسولؐ واپس مدینہ تشریف لائے ۔ حکم دیا کہ علیؑ کو امیرالمومنین کہہ کر سلام کرو۔ چنانچہ سب سے پہلے جناب سیدہ طاہرہؑ نے امیرالمومنین کہہ کر سلام کیا۔ پھر حسنینؑ نے بڑھ کے امیرالمومنین کہہ کر سلام کیا۔ پھر اصحابِ رسولؐ نے امیرالمومنین کہہ کر سلام کیا۔ علیؑ کی شان ہی کچھ اور ہو گئی محمدؐ کا وعدہ وفا ہو گیا ۔

سامعین!

آج رسولؐ کا وہ وقت آیا ۔ جب اہلِ مدینہ سے جدا ہو کے جانے لگے ۔ اصحابؓ کو بلایا اور فرمایا ۔

"لوگو! ہم جا رہے ہیں ۔ ہم نے اُس دن جو پلائی تھی وہ تمہیں یاد ہے نا؟ ممکن ہے نشہ اتر جائے ۔ پھر کون پلانے آئیگا۔ لہٰذا ہم چاہتے ہیں کہ تمہیں اس کا نسخہ لکھ دیں ۔ تاکہ میرے بعد تم خود بنا کے پی لیا کرو۔

لوگوں نے کہا "ہاں قبلہ لکھ دو"

رسولؐ نے فرمایا "پھر لے آؤ کاغذ، قلم دوات"

"قبلہ! بس ویسے ہی بتا دو"

رسولؐ نے فرمایا "بھئی، دیکھو! اگر لکھواتے تو بڑی تفسیر سے لکھتا۔ چونکہ زبانی پوچھتے ہو لہذا مختصر بتاتا ہوں۔ کہ اس نشے کو قائم رکھنے کیلئے دو دوائیں یاد رکھنا۔ ایک دوا کا نام ہے "کتاب" اور ایک دوا کا نام ہے "عترت"

"کتاب" ہر کتاب نہیں۔ بلکہ کتاب ہو "اللہ والی" اور "عترت" ہر عترت نہیں بلکہ عترت ہو "میرے والی" اور دیکھو! ترکیب استعمال یہ ہے کہ "تین" تولے "کتاب" لے لو۔ "چودہ" تولے "عترت" لے لو۔ پھر "ایمان" کی دیگچی میں ڈال کر "نیک عمل" کا پانی ملالو۔ پھر "خلوص" کی ہلکی سی آنچ دیدو۔ تھوڑی سی "مودت" کی مصری ملالو۔ جب تمام ٹھیک ہو جائے "تو پیار" کے ہاتھوں سے اُتار کر، چھان کر۔ روزانہ "پانچ" مرتبہ "سترہ" گھونٹ پی لیا کرنا۔ کبھی بھوک نہیں لگے گی ـــــ اور اگر چاہو کہ اس کا نشہ اور بڑھے تو یوں کرنا کہ سال میں چند دن مقرر کر لینا تاکہ اس کے تذکرہ سے اُترا ہوا نشہ دوبارہ تازہ ہو جائے ـــــ"

بزرگانِ من!

جنگل میں منگل اُسی دن ہو گیا تھا جب رسولؐ نے اعلان کیا تھا۔ آج بھی رسولؐ کا کنبہ جنگل میں بیٹھا ہے اور دشمن کی فوجیں چلی آرہی ہیں۔ اُن کے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سیدانیوں کے خیموں میں آرہی ہے۔ بہن بھائی کو بُلا کے کہتی ہے: "حسینؑ! یہ فوجیں کس طرف آرہی ہیں؟" ـــــ

حسینؑ جواب میں کہتے ہیں ،، دشمن کی طرف " زینبؑ نے آسمان کو دیکھا زمین کو دیکھا اور چپ ہو گئی ۔ آخر بی بی پوچھتی ہے ۔

" حسینؑ ! ہمارا کوئی نہیں آئے گا ۔ کوئی ایسا نہیں ہے جسے تم بُلا لو حسینؑ ؟"

مولاؑ نے جواب دیا ،، زینبؑ ! کون مصیبت میں آئے گا ؟"

" حسینؑ ! آدمی میں بتاتی ہوں ۔ بُلانا تمہارے ذمّے ہے "

" ہاں بہن ۔ بتاؤ "

" حسینؑ ! وہ تمہارے بچپن کا دوست ، جو مجھے بہن کہتا تھا اور تمہیں بھائی کہتا تھا ۔ میرے آبا نے اس کا نام حبیبؓ رکھا تھا ۔ اُسے بلا لو "

چنانچہ حسینؑ نے خط لکھا ۔ قاصد کو دیا اور فرمایا ، کوفہ میں جاؤ ۔ لال داڑھی والا ایک آدمی ملے گا ۔ اس کا نام حبیبؓ ہے ۔ یہ خط اُسے دے دو "

قاصد پہنچا ۔ حبیبؓ کے محلے میں گیا ۔ ایک دُکان پہ جا کے ٹھہرا ۔ اتفاق سے حبیبؓ اس دوکان میں کھڑے خضاب خرید رہے تھے ۔ قاصد حبیبؓ سے پوچھتا ہے ،، شیخ ! کیا اس محلّے میں کوئی حبیبؓ نامی آدمی رہتا ہے ؟"

حبیبؓ نے پوچھا " کیوں ۔ کیا کام ہے ؟"

" تم مجھے حبیبؓ کا گھر بتا دو "

حبیبؓ میرا دوست ہے ۔ تو بات کر (حبیبؓ خود کہہ رہا ہے)

قاصد علیحدہ ہو کر کہنے لگا ،، حبیبؓ اگر تیرا دوست ہے تو سُن ! میں حبیبؓ کے نام حسینؑ کا خط لایا ہوں " ـــــــ بس یہ سُننا تھا کہ حبیبؓ کہ حبیبؓ تو قاصد کے پیروں پہ گر گیا ۔ " تو حسینؑ کا قاصد ہے ۔ تو حسینؑ کا خط لایا ہے ۔ تو نے چلتے وقت حسینؑ کو دیکھا تھا ۔ آ میرے ساتھ میں تجھے حبیبؓ کے گھر لے چلتا ہوں " دونوں چل پڑے ۔ دروازے پہ پہنچے ۔ حبیبؓ نے کہا " ایک منٹ ٹھہر ۔ میں ابھی آتا ہوں " یہ کہہ کر حبیبؓ اپنی

زوجہ کے پاس گیا اور کہا:۔
"سُنتی بھی ہو۔ آج قسمت یاور ہو گئی۔ نصیب جاگ اُٹھے۔ آج
تو ہمارا نیز اقبال کہیں سے کہیں پہنچ گیا"
بیوی کہتی ہے "بتاؤ تو سہی۔ بات کیا ہے؟"
حبیبؓ نے کہا "تم جلدی سے وضو کرو۔ دو رکعت نماز پڑھو۔ پھر
بتاؤں گا کیا ہوا؛ جب مومنہ نماز پڑھ چکی تو حبیبؓ نے کہا۔
"آج ہمارے گھر امیرالمومنین علی ابن ابی طالبؑ کے لخت جگر
حسینؑ کا قاصد آیا ہے"
مومنہ جواب دیتی ہے "حبیبؓ شکر ادا کرو۔ مولا کے قاصد کو اندر لے آؤ"
چنانچہ حبیبؓ نے قاصد کو سفید چادر پہ بٹھایا اور جب وہ بیٹھ گیا تو کہنے لگا۔
"میرے مولا کے قاصد! میں ہی حبیبؓ ہوں۔ مولا کا خط میرے ہی نام ہے"
قاصد نے جیب سے خط نکالا اور حبیبؓ کو دے دیا۔ حبیبؓ نے خط کی تحریر
کو چوما۔ کھولا۔ خاموش پڑھنے لگا۔ مومنہ نے اندر سے آواز دی:۔
"حبیبؓ! بلند آواز سے پڑھو تاکہ میں بھی سُنوں کہ مولا نے کیا فرمایا ہے"
حبیبؓ نے خط پڑھا۔ خط کی عبارت یوں تھی۔
"یا اخی حبیبؓ! بھائی حبیبؓ!
حبیبؓ تو بھائی کا نام سنتے ہی سجدے میں گر گیا۔
"حسینؑ اور مجھے بھائی کہے"
حبیبؓ نے آگے پڑھا تو لکھا تھا:۔ "حبیبؓ! میں تمہارے
وطن میں آگیا ہوں۔ مصیبت میں پھنس گیا ہوں۔ میری مدد
کو آؤ"
(اگلا فقرہ جس نے حبیبؓ کے کلیجے کے ٹکڑے کر دیئے یہ تھا)
"حبیبؓ! میں تمہیں کبھی تکلیف نہ دیتا مگر مجبوری یہ ہے کہ میرے

ساتھ زینبؑ بھی ہے"

بس زینبؑ کا نام پڑھتے ہی حبیبؓ گھٹنوں کے بل کھڑا ہو کر کہنے لگا۔

"ہائے۔ زینبؑ بھی ساتھ ہے"

بہر نوع۔ حبیبؓ کربلا میں پہنچے۔ حسینؑ نے بڑھ کے استقبال کیا۔ ہاتھ میں ہاتھ ڈال کے دروازے تک آئے۔ حبیبؓ خیمے سے باہر کھڑے ہو گئے۔ مولا اندر تشریف لے گئے: "زینبؑ! حبیبؓ آگیا"

زینبؑ دروازے پہ پہنچیں۔ بیچ میں پردہ۔ بی بی فرماتی ہیں۔

"حبیبؓ! فاطمہؑ کی بیٹی تجھے سلام کرتی ہے"

حبیبؓ تو بے ہوش ہو کر گر پڑا اور کانپتے ہونٹوں سے عرض کی:۔

"شہزادی! اب یہ وقت آگیا کہ ادنیٰ غلاموں کو سلام کر رہی ہو"

بس بھائیو! ——— بیان ختم کرتا ہوں۔

زینبؑ نے حبیبؓ کو ہمیشہ بھائی کہا۔ اب آپ خود اندازہ کریں کہ زینبؑ کو حبیبؓ پر کتنا اعتماد تھا کہ عاشور کی شام کو جب سیدانیوں کے خیمے جلنے لگے اور چادریں اترنے لگیں تو زینبؑ نے حسینؑ کو نہیں پکارا۔ عباسؑ کو نہیں پکارا بلکہ گھبرا کر بلند آواز میں کہا۔

"بھائی حبیبؓ! ——— آؤ۔ دیکھو۔ میں لٹ گئی۔"

اللہ ہماری مجلسوں کو قبول و منظور فرمائے اور ہمیں مودۃ محمدؐ و آلِ محمدؐ عطا فرمائے۔ آلِ محمدؐ کی مودۃ کے ساتھ زندہ رہیں اور آلِ محمدؐ ہی کی مودۃ کے ساتھ دم نکلے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ط

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ ط

لا الٰہ الا اللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خداوند عالم کی حمد و ثنا کے بعد حضرات محمد و آلِ محمد پر درود و سلام

حضراتِ محترم!

اللہ کا یہ فضل ہے کہ جو چیزیں ذی حیات کے لئے لازمی تھیں۔ انہیں انسان کے تصرف میں نہیں دیا بلکہ اپنے قبضۂ قدرت میں رکھا۔ اگر لوازماتِ حیات انسان کے بس میں ہوتے تو کبھی کی یہ دنیا ختم ہو جاتی لہٰذا اللہ نے دنیا کی بقاء کے لئے ان لوازماتِ حیات کو اپنے قبضہ میں رکھا۔ اور جو چیزیں حیات کے لئے ضروری تو تھیں مگر اتنی اہم نہ تھیں وہ انسان کے قبضہ میں دے دیں۔ ورنہ جو چیزیں انسانی زندگی کے لئے نہایت لازمی تھیں۔ انہیں قدرت نے اپنے قبضہ میں رکھا ——— جس طرح انسانی زندگی کے لئے "ہوا" نہایت لازمی چیز ہے۔ ہوا کے بغیر انسان کا گذارہ ہی نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا اللہ نے کہا "اگر میں نے انسان کے سپرد کر دی تو انسان ایک دم سے انسان کو مار دیں گے۔ اسی طرح قدرت نے "پانی" اپنے قبضہ میں رکھا اب اگر انسان کبھی خدا کی ان چیزوں پر قبضہ بھی کر لیتا ہے تو انسان کیلئے ہی یہ مصیبتیں پیدا ہو جاتی ہیں ——— گویا

نظامِ قدرت میں انسانی مداخلت جہاں ہوئی وہاں خرابی پیدا ہو گئی

لہٰذا انسان کو انسان بنانے کے ذرائع بھی اللہ نے اپنے ہاتھ میں رکھے۔ اگر انسانی ہدایت۔ انسان کے سپرد کر دی جاتی تو پھر وہ تماشہ بنتا کہ خدا کی پناہ۔

"جس طرح ساری دنیا کے چوروں سے کہہ دیا جائے کہ ایک ایسی سوسائٹی بناؤ جو چوری کو روکتی ہو۔ چنانچہ وہ چوری چوری ایسی بنائیں گے جو "چوری" چلتی رہے گی۔ اور اگر تمام ڈاکوؤں سے کہہ دیا جائے کہ ڈاکہ زنی کے انسداد کے لئے ایک کمیٹی بنالو۔ وہ دعوے بڑے کریں گے تقریریں کریں گے، لیکچر دیں گے کہ "ڈاکہ بہت بُری بات ہے" اور پھر ایسے ڈاکے ڈالیں گے کہ پتہ نہ چل سکے کہ کہاں ڈاکہ پڑ گیا۔"

بہر نوع۔ ہدایت کی ذمہ داری اگر ایسے انسانوں کے سپرد کر دی جاتی تو خدا جانے کیا ہوتا ——— لہٰذا۔ اللہ نے فرمایا۔

"میں جس طرح چاہوں ہدایت کروں۔ آخر تمہارا پیدا کرنے والا ہوں، تم میرے پاس لوٹ کر آؤ گے، تم میرے سامنے جوابدہ ہو۔ میں ہی تمہاری ہدایت کا کام کروں گا۔ تم جو اپنی طرف سے تجویزیں پیش کرو گے وہ کہیں نہ کہیں جا کے ختم ہو جائیں گی۔ لہٰذا انسانی ہدایت کا کام مجھے کرنے دو۔ میرے کام میں مداخلت نہ کرو۔"

مگر انسان خدا کے ہر کام میں مداخلت کرتا رہتا ہے۔ خدا کی بتائی ہوئی بات کی طرف انسان اس لئے توجہ نہیں دیتا کہ چونکہ مزاج میں سرکشی و آزادی ہے۔ اور کسی کی بات نہ ماننا انسان اپنی آزادی کے منافی سمجھتا ہے۔ گویا انسان خودکشی اور آزادی کی بنا پر ٹوکنے والے کو پسند نہیں کرتا اور نہ ٹوکنے والے سے بڑا خوش رہتا ہے ——— اس لئے انسان نے کہا۔

"اللہ ٹوکتا بہت ہے۔ یہ کام نہ کرو۔ وہ کام نہ کرو۔ یہ نہ کھانا وہ نہ پینا ادھر نہ دیکھنا۔ اُدھر نہ جھانکنا۔ لہٰذا ایسے اللہ کو اللہ نہ مانو جو قدم قدم پہ ٹوکتا ہو۔ ٹوکنے والے اللہ کو چھوڑ کر کسی نہ ٹوکنے والے کو اللہ بناؤ۔ اور بناؤ بھی ایسا "بے حس" جس میں ٹوکنے کی طاقت ہی نہ ہو اور اگر اس میں حس بھی ہو گی تو چونکہ ہمارا بنایا ہوا ہو گا۔ اس لئے ہمیں ٹوکنے کی جرأت نہیں کرے گا۔

بلکہ اُسے ڈر رہے گا کہ :۔

انہوں نے مجھے بنایا ہے اگر ٹوکوں گا تو یہ بگاڑ بھی دیں گے

چنانچہ ہم اللہ بنانے بیٹھ گئے ۔ وہ "اللہ" بھی سمجھتے تھے کہ اگر ٹوکیں گے تو ہماری آبرو جائے گی لہٰذا ۔ "بُت بنے" بیٹھے رہے ۔ کیا مجال جو کسی کو ٹوکتے تھے ۔ آرام سے بیٹھے رہے ۔ لوگوں نے سوچا "اللہ تو ہم نے بنالئے اب ان کے لئے کوئی گھر بھی ہونا چاہیئے" ۔ چنانچہ وہ اپنے بنائے ہوئے "اللہ" کو اصلی اللہ کے گھر میں رکھ کر مطمئن ہو گئے کہ دس بیس سال اللہ کے گھر میں رہ کر آدھے تہائی کچھ تو اللہ بن ہی جائیں گے ۔

سامعین !

چار سو سال کے بعد ہم نے جو دیکھا تو وہی بُت کے بُت ——

ہم نے پوچھا ۔ "انسانوں کے بنائے ہوئے اللہ ! بیت میں رہ کر بھی تمہیں ابھی تک اہلیت نہیں آئی" ۔

انسان کے بنے ہوئے اللہ نے جواب دیا "اگر واقعی تم ہمیں بنانا بنانا چاہتے ہو تو ایسا کرو کہ اللہ کے گھر میں ذرا سی زمین کھود کر ہمیں گاڑ دو ۔ گڑنے کے بعد ہم ٹھیک ہو جائیں گے ۔ اور اگر ہم ٹھیک بھی نہ ہوئے تو کوئی بات نہیں ۔ تم یہ تو کہہ سکو گے کہ :۔

"ہمارے "اللہ" وہ ہیں جو خدا کے حرم میں گڑے ہوتے ہیں"

سامعین !

ایک دن عالم تصور میں ، میں اُن گھر والوں سے باتیں کر رہا تھا ۔

"اے انسانوں کے بنائے ہوئے اللہ ! تم یہاں بیٹھے ہو ؟

"ہاں"

اللہ بنے ؟

"نہیں ـــــ بنے تو نہیں ، ہو گئے ہیں"
یہ لوگ تمہیں اللہ سمجھتے ہیں ؟
"ہاں سمجھتے ہیں"
تم میں کون سا کمال ہے ؟
"صاحب ! بے کمال بھی کوئی مانتا ہے۔ ہم میں بڑا کمال ہے"
تم میں کیا کمال ہے ؟
بتوں نے جواب دیا۔ "تم ہمیں بت سمجھتے ہو ؟ سمجھا کرو۔ پتھر سمجھتے ہو ؟ سمجھا کرو۔۔۔۔ جو چاہو سمجھو ـــــ مگر ایک کمال ہے ہم میں۔ خود نہیں جائیں گے۔ کوئی اٹھا کر میدانِ جنگ میں لے جائے۔ پھر جتنے تمہاری سائنس کے ایجاد کردہ اسلحہ ہیں وہ استعمال ہوں۔ ٹینک سے ٹینک ٹکرائیں۔ ہوائی جہاز سے بم برسیں۔ میدان میں لے جانا تمہارا کام ہے۔ اگر میدان سے چھوڑ کر بھاگیں تو ہمیں پکڑ لو۔ چاہیں ٹکڑے ہو جائیں، چاہے چور چور ہو جائیں مگر میدان چھوڑ کر ہم نہیں آئیں گے ـــــ ہم میں اتنا کمال ہے۔ ہماری اس ادا پہ دنیا مرتی ہے"
بہرنوع۔ نا ٹوٹکنے والے خدا۔ اللہ کے گھر میں بیٹھ گئے۔ کوئی پونچھ لے تو شاباش نہیں کہتے۔ کوئی توڑ دے تو برا نہیں کہتے۔ ادھر انسان بھی بہت خوش ہے کہ یہ بیچارے ہمارے بنائے ہوئے ہیں ٹوک بھی نہیں سکتے۔

محترم سامعین !

جس قوم کی دس بیس نسلیں "نا ٹوٹکنے والے" خدا کی صحبت میں گذر چکی ہوں وہ اگر آج انہیں چھوڑ بھی دیں اور "ٹوکنے والے" کو ماننے لگیں۔ تو یہ ناممکن ہے کہ ایک دم صدیوں پرانی عادت ختم ہو جائے گی۔ بلکہ اس عادت کو چھوڑنے کے لئے تو کافی مدت چاہیئے۔ بھلا عمر بھر کی عادت ختم ہو سکتی ہے

گویا ــــــ جب ایسی دو چیزیں سامنے آئیں گی - جن میں سے ایک ہو بولنے اور ٹوکنے والے اور ایک ہو نا بولنے اور نا ٹوکنے والی تو بت پرستی کی عادت یہ کہلوا دے گی ــــــ کہ

"ہمیں نا ٹوکنے والی کافی ہے"

اللہ کہتا ہے ــــــ "ہدایت میری طرف سے ہو گی - تم مانو نہ مانو. تمہیں ماننا پڑے گا اور ــــــ **دیکھو! میں ٹوکتا ہی نہیں بلکہ ڈو ٹوک بات بھی کرتا ہوں**

کیا مجال جو میری بات میں کہیں نقص آ جائے - میری ہر بات غلطی سے مبرا ہوتی ہے - میری کسی بات میں شک و شبہ ہو سکتا ہی نہیں.

مسلمانو! تم بھی کیا یاد کرو گے کہ تمہاری ہدایت کے لئے میں نے وہ ہادی بھیجا ہے جس کا کمال یہ ہے کہ دنیا کے ہادی بھی اس کے ماتحت ہیں. تمہیں اس رسولؐ کا کلمہ پڑھوا دیا ہے جس کی امت ہونے میں تمام انبیاء فخر کرتے ہیں ــــــ یہ گویا شہنشاہ ہوا اور وہ بادشاہ اس کی رعایا ہیں. تمہیں شاید یاد نہیں - ہم نے تمام انبیاء سے میثاق لیا ہے جس طرح ایک ذمہ دار افسر اپنے عہدہ کا چارج سنبھالنے سے پہلے حلف اٹھاتا ہے. اسی طرح ہم نے ہر نبیؑ سے حلف اٹھوایا ہے کہ :-

"تمہارے بعد ایک نبیؐ آئے گا - تم اس پر ایمان لانا اور اسکی اولاد کی مدد بھی کرنا." (قرآن)

چنانچہ انبیاء نے حلف اٹھانے کے بعد اللہ نے کہا :-

"تم مجھے گواہ بناؤ - مجھے ضامن بناؤ کہ تم اس حلف سے مکر تو نہیں جاؤ گے"

سامعین!

خدا کے فضل و کرم سے ہم سب مسلمان ہیں اور ہر نبیؑ کو مانتے ہیں. آدمؑ سے لیکر خاتمؐ تک ہر نبیؑ کی نبوت کے قائل ہیں. فرق اتنا ہی ہے کہ اور نبیوں کیلئے

کہتے ہیں " تھے " اور محمد کے لئے کہتے ہیں " ہے " ۔ آج سے لاکھ سال بعد محمد کا ذکر آئے گا جب بھی کہیں گے " ہے " یہاں ۔ تھے " آتا ہی نہیں ۔ یہاں " تھے کا سوال پیدا ہوتا ہی نہیں ۔ لہٰذا محمد " ہے " اور جو ہے اس سے مدد مانگنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے ۔ مدد سے تو وہ روکے جو " تھے " ـــــ مگر محمد آج بھی ہے اور ہمیشہ ہے اگر ہم کلمہ پڑھیں گے تو اس کے بھی یہی معنیٰ ہیں ۔ " محمد اللہ کے رسول ہیں " ...... باقی انبیاء " تھے " ـــــ اور اگر کوئی یہ ضد کرے کہ محمد اللہ کے رسول تھے ۔ تو اس " تھے " کو روکنے کے لئے اللہ نے " مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ " کا دامن " لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ " سے بھر دیا ۔ تاکہ کہیں بیچ میں " تھے " نہ آ جائے " ۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ " کے معنیٰ بھی یہی ہیں ۔ کہ اللہ " وَاحِدَہٗ لَاشَرِیْكَ ہے " ۔ اور اگر اللہ واحدہٗ لاشریک ہے تو محمد اللہ کا رسول ہے .... اور اگر محمد اللہ کے رسول تھے ۔ تو پھر یہ کہنا پڑے گا کہ " اللہ بھی واحدہٗ لاشریک تھا " ۔ ...... وہ " ہے " تو یہ بھی " ہے "

پیارے سامعین !

" کلمہ طیبہ " چار لفظوں کو جوڑ کر بنایا گیا ہے ۔

لا ـــــ الٰہ ـــــ الا ـــــ اللہ

پہلا حروف کہو " لا " جس کے معنیٰ ہیں " کچھ بھی نہیں " ۔ لہٰذا پہلا کچھ بھی نہیں ۔ دوسرا جوڑو " لا الٰہ " ـــــ " اللہ نہیں ہے " گویا کفر ہو گیا ۔

تیسرا جوڑو " لا الٰہ الا " ـــــ " اللہ نہیں ہے مگر " یہ مہمل ہو گیا ۔

پہلا " لا " کچھ بھی نہیں ـــــ دوسرا " لا الٰہ " ـــــ کفر ہو گیا تیسرا " لا الٰہ الا " مہمل ہو گیا ۔ جب چوتھا " اللہ " ساتھ جوڑو گے ۔ تو ایمان ہو جائے گا ۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ ـــــ اب ایمان ہو گیا

علمائے کرام !

خدا تمہارے علم وفضل میں برکت عطا فرمائے ۔ مجھ غریب شہر کی بات بھی سُن لیا کرو ۔

اسم جلال کی قسم جو اسلام میں کہلاتی ہے ۔ اگر کوئی جھوٹی اٹھائے تو فوراً کُفر ہو جائے ۔ اور اگر سچی اٹھائے تو تین روزے رکھے جب وہ درست ہو سکتا ہے ۔ اتنی باعزت ہے قسم جلال ——— جس طرح بڑے سے بڑا چور مسلمانوں کی پنچایت میں اگر کلمہ پڑھ کے کہدے :

" لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ "

" میں نے چوری نہیں کی "

لہٰذا مسلمان اس چور کو چھوڑ دیں گے ۔ قسم جلال اٹھا کر جو کہہ رہا ہے اگر اب بھی نہیں مانیں گے تو ہم مسلمان نہیں رہیں گے ——— گویا

جس بات کا پورا یقین ہو جائے (وہ چاہے کلمہ میں داخل ہو یا نہ ہو اس جھگڑے میں نہ پڑو) وہ جب بیان کرو تو کلمہ پڑھ کے بیان کرو قسم جلال اٹھا کر بیان کرو تاکہ سُننے والا اگر نہ مانے تو کافر ہو جائے ۔

لہٰذا ہمیں اتنا یقین ہے علیؑ کی ولایت کا ۔ ہم یونہی نہیں کہہ دیتے بلکہ قسم جلال اٹھا کر اعتراف کرتے ہیں ۔ مسلمان ہو تو ماننا پڑے گا ۔ کعبہ میں کہلوالو ۔ مسجد میں کہلوالو ۔ منبر پہ کہلوالو :

" لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ، علیؑ ولی اللہ "

سامعین !

ابراہیمؑ بھی یہی کلمہ پڑھتے تھے ۔ موسٰیؑ کے زمانے میں بھی یہی کلمہ تھا ورنہ یہ تو محاورے کے طور پر مشہور ہو گیا ہے کہ ابراہیمؑ کے زمانے میں یہ کلمہ تھا " لا الٰہ الا اللہ ابراہیم خلیل اللہ " یا موسٰیؑ کے زمانے میں یہ کلمہ تھا " لا الٰہ الا اللہ موسٰی کلیم اللہ " ۔ حالانکہ ہر نبیؑ کے زمانے میں کلمہ

تھا جو ہم پڑھ رہے ہیں۔ ..... پیر نوع۔ سب انبیاءؑ امتی تھے۔ اور امتی کو اپنا کلمہ پڑھوانے کا حق ہی نہیں ہے۔ لہٰذا انبیاءؑ وہی کلمہ پڑھتے تھے جو ان کا بھی رسولؐ تھا۔ اگر ان انبیاءؑ پر بھی کوئی مشکل آن پڑتی تھی تو محمدؐ سے کہتے۔

"مشکل آبنی ہے۔ ہماری مدد کرو"

لہٰذا محمدؐ کے پاس جو مددگار تھا۔ وہی ان کی مدد بھی کیا کرتا تھا۔

لطف آجائے گا قیامت میں حبیب اللہ نے عام آواز دے دی۔ "محمدؐ کی امت آجائے"

مومن بھائیو! ——— دیکھنا کس شان سے تم وہاں جاؤ گے تم میں سے کسی کا ہاتھ ابراہیمؑ کے ہاتھ میں ہوگا۔ کوئی موسٰیؑ سے باتیں کرتا جا رہا ہوگا۔ کوئی یوسفؑ کے گلے میں بانہیں ڈالے چل رہا ہوگا۔ اس لئے کہ ہم سب پیر بھائی جو ہوئے۔ ایک ہی نبیؐ کی امت جو ہوئے۔ ایک ہی رسولؐ کے کلمہ گو جو ہوئے۔

سامعین!

اگر آدمؑ کھڑے ہوں رسولؐ کے سامنے تو ان کا اور رسولؐ کا کیا رشتہ ہوا؟ "مومن" ——— گویا آدمؑ "مومن" ہیں۔ نوحؑ مومن ہیں۔ ابراہیمؑ مومن ہیں۔ موسٰیؑ مومن ہیں۔ عیسٰیؑ مومن ہیں۔ غرض ہر نبیؑ مومن ہے۔ اور اگر سارے انبیاءؑ اکٹھے ہو جائیں تو مومنین کہلائیں گے۔

بس بھائیو! ——— یہاں تک تو میں نے کہہ دیا کہ ایک نبیؑ ہو تو ہے مومن اور اگر سارے "انبیاءؑ" مل جائیں تو ہیں "مومنین" ———

اب آپ مجھے سوچ کر بتائیں کہ جس نبی کی امت میں یہ مومنین ہوں تو ان مومنین کا "امیر المومنین" کون ہوگا۔ جہاں آدمؑ سے لیکر عیسٰیؑ تک مومنین ہوں گے وہاں امیر المومنین کون ہوگا؟ جسے آدمؑ بھی تسلیم کرلیں۔ نوحؑ بھی تسلیم کرلیں۔ اور ابراہیمؑ بھی مان جائیں کہ "یہ ہمارا امیر المومنین ہے"

بزرگانِ من !

"امیرالمومنین کا سوال آج نیا نہیں پیدا ہوا بلکہ آیۂ میثاق کے فوراً بعد پیدا ہو گیا تھا کہ جب انبیاءؑ مومنین ہیں تو امیرالمومنین کون ہو گا؟"

رسولؐ جواب میں یہی فرماتے۔ "جس نے انبیاءؑ کو میرا امتی بنایا ہے اسی سے پتا کر بتاؤں گا۔" اِدھر رسولؐ کے پاس پوچھنے کا ذریعہ جبرئیلؑ تھا۔ ایک دن رسولؐ نے جبرئیلؑ سے کہا:۔

• جبرئیلؑ ! اللہ سے یہ پوچھ کر آنا کہ میرے بعد میری اُمت کا امیرالمومنین کون ہو گا ——— ؟

• جبرئیلؑ سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچا۔ اللہ نے پوچھا۔

• جبرئیلؑ کیا بات ہے ؟

جبرئیلؑ نے عرض کی "خداوندا۔ تیرا حبیبؐ پوچھتا ہے کہ میرے بعد امیرالمومنین کون ہو گا ؟"

اللہ نے غصہ میں جواب دیا۔ "جبرئیلؑ ! ان معاملات میں تم دخل نہ دو۔ اپنی حیثیت میں رہو۔"

جبرئیلؑ واپس زمین پر پہنچے۔ عرض کی

• یارسول اللہ ! اللہ مجھے تو کچھ بتاتا ہی نہیں۔"

آخر رسولؐ نے کہا۔ خداوندا۔ جبرئیلؑ کے ذریعے تو بتاتا نہیں۔ لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں۔ مجھے بتانا پڑتا ہے۔ تو ہی بتا دے کہ امیرالمومنین کون ہو گا؟

اللہ نے کہا "محمدؐ تم تنتے بھی ہو ! ایسی باتیں ان ذرائع سے نہیں پہنچائی جاتی۔ اگر پوچھنا ہی چاہتے ہو کہ امیرالمومنین کون ہو گا۔ تو کسی رات تھوڑا سا وقت نکال کے ہمارے گھر آؤ۔ وہاں تمہیں فرصت میں بتایا جائے گا کہ امیرالمومنین کون ہو گا۔ تم اس کا لہجہ پہچان لینا اس کے ہاتھ پہچان لینا۔ اس کی گفتگو پہچان لینا۔ آؤ نا ہمارے پاس؟"

چنانچہ امیر المومنین پوچھنے کے لئے محمد، اللہ کے گھر تشریف لے گئے۔
گویا امیر المومنین پوچھنے جانا ہی محمدؐ کی معراج تھی ـــــ رسول پوچھ
کر واپس آئے۔ لوگوں نے پوچھا :-
"محمد ! پوچھ آئے ؟"
فرمایا " ہاں ۔ پوچھ آیا "
" جسم سے گئے تھے یا خواب میں گئے تھے" ؟
سامعین !
ہم پاکستان میں رہنے والے جاہل لوگ ۔ ہمیں کیا معلوم کہ رسول گئے
تھے یا نہیں گئے تھے ۔ ہم تو اُن ہی لوگوں سے پوچھیں گے جو گرد و پیش تھے
چنانچہ، ایک بزرگ فرماتے ہیں " بمعہ جسم گئے تھے ـــــ " ـــ اور
ایک خاتون کہہ رہی ہیں " نہیں ـــــ گئے تو تھے مگر خواب میں گئے تھے "
اب وہ بھی صدیق ـــــ یہ بھی صدیقہ ـــــ ہم کس کی مانیں اور کس کی
نہ مانیں ۔ آخر مجبور ہو کر رسول سے ہی پوچھتے ہیں ۔ " قبلہ ! کیسے گئے تھے ؟ "
رسول نے کہا " جھگڑے میں کیوں پڑتے ہو ۔ تم خود سمجھ لو کہ میں کیسے گیا
تھا ؟ ـــــ دیکھو نا !
یہ معراج کی بات تو میں پھر بتاؤں گا کہ کیوں گیا تھا ۔ اب صرف تمہارے
سمجھانے کو بتاتا ہوں کہ نماز جو ہے یہ مومن کی معراج ہے ۔
اب بتاؤ ! یہ نماز نری روح سے پڑھتے ہو یا روح و جسم دونوں
ہوتے ہیں ؟
اگر نماز ہوتی ہے نری رُوح سے تو معراج بھی نری روح
کی ہوئی تھی اور اگر رُوح و جسم دونوں اکٹھے ہوتے ہیں تو معراج
بھی رُوح و جسم دونوں سے ہوئی ہے "
لوگوں نے پُوچھا ۔ " آپ نے وہاں جا کر کیا کیا ؟ "

فرمایا:- اللہ نے میرے وہاں جانے کی تاریخ لوح محفوظ کی جس طرح بڑے بڑے واقعات کی تاریخ لکھی جاتی ہے۔ عرش پر میرے قدم گئے تو وہاں لکھ دیا گیا کہ "یہ عرش محمدؐ کے قدموں کی بدولت معلیٰ ہو گیا"۔

بس بھائیو!

یادگار معراج کو اصطلاح میں "معلّیٰ" کہتے ہیں۔ چاہے وہ عرش معلّیٰ ہو یا زمین پر کوئی معلّیٰ ہو۔ محمدؐ کو معراج ہو گئی عرش پر، عرش معلّیٰ ہو گیا ——— اور بیٹے کو معراج ہو گئی فرش پر۔ وہ معلّیٰ ہو گیا۔ گویا نانا کے قدموں نے عرش کو عرش معلّیٰ بنا دیا، اور نواسے کے سجدوں نے فرش کو کربلائے معلّیٰ بنا دیا۔

ایک روایت میں ہے کہ قیامت کے دن تمام زمین پارہ پارہ ہو جائے گی۔ لیکن کربلا کی زمین بڑے آرام سے اٹھالی جائے گی۔ اصل مصلحت تو خدا جانتا ہے یا معصومین جانتے ہیں۔ لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ زخمی کو بڑے آرام سے سٹریچر پر لے جایا جاتا ہے تاکہ کوئی تکلیف نہ پہنچے۔

اللہ نے کہا۔ "کربلا کے زخمیوں کو تکلیف نہ دو بلکہ آرام سے اٹھالو"

عزادار سید الشہداءؑ!

کربلا میں ایک سے ایک بڑھ کر زخمی ہے۔ میں کس کے زخموں کا ذکر کروں؟ - ماشاءاللہ تم صاحب اولاد ہو۔ خدا جانے تم میری بات سن بھی سکو گے یا نہیں۔؟

دیکھو نا! جب آل محمدؐ آمریت کی تلواروں سے نہ کٹ سکے تو ان کے پروردہ مؤرخین نے اپنے زہر آلود قلم سے آل محمدؐ کا قتل کرنا شروع کر دیا۔ اور تاریخ میں لکھ دیا گیا کہ:- "اٹھارہ بنی ہاشم کربلا میں شہید کر دیئے گئے"۔

"بنی ہاشم" کا لفظ مسلمانوں نے ہمارے خیال کو ادھر ادھر کرنے

کے لیئے لکھدیا ہے۔ حالانکہ "بنی ہاشم" کی اولاد تو وہ بے شک تھے۔ "بنی ہاشم" تو بہت وسیع اولاد تھی۔ مگر کربلا میں جو اٹھارہ شہید ہوئے وہ صرف اٹھارہ آلِ ابی طالب تھے۔
گویا۔ بنی ہاشم کہ کے ہمارے خیال کو ابی طالب سے ہٹایا جاتا ہے۔
کربلا میں حسینؑ بھی فرماتے تھے: "یہ میرے دادا کی اولاد ہیں"
آج ابی طالبؑ کے اس فرمان کی تعمیل ہو رہی تھی کہ ایک دن بھتیجے محمدؐ کو بہت پریشان دیکھا تو گلے سے لگا کر فرمانے لگے۔
"محمدؐ! فکر نہ کر۔ گھبرا نہیں۔ پریشان نہ ہو۔ جب تجھ پر یا تیرے دین پر کوئی حرف آئے گا تو تیرے دین کے گرد میری اولاد کی لاشیں پڑی ہوئی ہوں گی"

مسلمانو!

انصاف چاہتا ہوں ——— بتاؤ۔ اللہ نے ابی طالبؑ سے کتنا بڑا کام لیا ہے۔ یہ عجیب حادثہ ہے کہ دین اللہ کا پھیل گیا۔ کلمہ محمدؐ کا پڑھا گیا۔ اور کنبہ غریب ابی طالبؑ کا کٹ گیا ———
بزرگو! اگر کنبہ کے کٹ جانے پر بات ختم ہو جاتی تو شاید بات ہی ختم ہو جاتی۔ دیکھنا تو یہ ہے کہ:
دین بچ گیا اللہ کا۔ کلمہ پڑھا گیا محمدؐ کا اور بہو بیٹیاں قید ہو گئیں غریب ابی طالبؑ کی۔ کتنا بڑا کام لیا ہے اللہ نے ابی طالبؑ سے
بہر نوع۔ اٹھارہ آلِ ابی طالبؑ کربلا میں شہید ہوئے۔ کسی کا کلیجہ زخمی ہو گیا کسی کی پیشانی زخمی ہو گئی کسی کے بازو زخمی ہو گئے۔ کسی کا گلا زخمی ہو گیا۔ مگر ایک زخمی ایسا بھی ہے جس کا پتہ نہیں چلتا کہ اس کو کہاں کہاں زخم آئے۔
تمام شہیدوں میں سب سے زیادہ نازک مزاج شہزادہ "قاسمؑ" چونکہ بچپن میں ہی یتیم ہو گئے تھے لہٰذا یتیم بھتیجے کو حسینؑ نے اتنے لاڈ و پیار سے

پالا تھا کہ دیکھنے میں تیرہ(۱۳) سال تھا مگر جب کھانا کھانے بیٹھتا تو ماں نوالے کھلایا کرتی تھی۔ باریک سے باریک لباس پہناتے تھے۔ تیرہ(۱۳) سال کے بچے کو حسینؑ گود میں اٹھاتے تھے۔ کبھی دھوپ میں نہ نکلنے دیا۔ اکبرؑ و اصغرؑ کی اور بات تھی اور اس یتیم بھتیجے کی اور بات تھی۔ اتنا نازک مزاج شہزادہ میدان کی طرف جا رہا ہے۔ حسینؑ نے گود میں لیکر گھوڑے پہ بٹھایا اور فرمایا:۔

"بیٹا قاسمؑ! جاؤ۔ خدا حافظ"

قاسمؑ میدان جنگ کی طرف روانہ ہوئے، ساتھ ساتھ قمر بنی ہاشمؑ جناب عباسؑ غازی میدان کے قریب تک چلتے رہے۔ قاسمؑ کا جہاد شروع ہو گیا عباسؑ ریت کے ٹیلے پہ کھڑے ہو کر شہزادے کو ہدایات دیتے رہے۔

"بیٹا! باگ سنبھال کے رکھنا۔

"شہزادے! تلوار مضبوطی سے پکڑے رکھنا۔

بہر نوع۔ شہزادہ لڑتا ہوا فوجوں کے بیچ میں چلا گیا۔ اور اس ہنگامۂ دار و گیر میں گھوڑے سے گرا۔ قاسمؑ کے گرنے کا انداز ہی کچھ اور تھا۔ ہر گرنے والے نے امامؑ کو پکارا۔ "مولا! میں گر گیا"...... مگر قاسمؑ کے بچپن کی ادا یہ تھی کہ جب یہ گرا ہے تو مولا کو نہیں پکارا بلکہ گرتے ہی کہا...." اماں۔ میں گر گیا" حسینؑ لاشہ پہ پہنچے "بیٹا قاسمؑ! مجھے معاف کرنا۔ میں ذرا دیر میں پہنچا ہوں۔

"بیٹا! تیری میت تو اٹھانے کے قابل نہیں"

امام زمانؑ زیارت ناحیہ میں فرماتے ہیں:۔

"میرا سلام ہو اس شہید پر جسکی داہنی طرف کی پسلیاں ٹوٹ کے بائیں طرف آگئیں اور بائیں طرف کی پسلیاں ٹوٹ کے دائیں طرف آگئیں"

گویا اتنا نازک شہزادہ زندگی ہی میں گھوڑوں کے سموں سے پامال ہو گیا۔ امامؑ نے لاشے کے ٹکڑے عبا میں رکھے اور لا کر گنج شہیداں میں علی اکبرؑ کی لاش کے ساتھ گٹھری رکھ دی اور دونوں لاشوں کے بیچ میں بیٹھے۔

ایک ہاتھ قاسمؑ کی لاش پر اور ایک ہاتھ علی اکبرؑ کی لاش پر رکھ کر آسمان کی طرف رُخ کر کے حسینؑ نے بلند آواز میں کہا:۔ "وَ غربتا"

"یا اللہ! میں غریب ہو گیا" —— "نہ میرا اکبرؑ رہا نہ میرا قاسمؑ رہا"

سامعین!

کربلا معلیٰ میں مہدی نامی ایک ذاکر تھے۔ وہ روزانہ حرم میں آتے اور صبح کی نماز کے بعد مولاؑ کی ضریح کے پاس کھڑے ہو کر تھوڑی دیر کے لئے مجلس پڑھا کرتے۔ لوگ روتے رہتے۔ یہی گویا نماز کے بعد وہاں کا وظیفہ تھا۔ ایک دن مجلس میں انہوں نے یہ مضمون پڑھا کہ —— جب قاسمؑ کی لاش کے ٹکڑے اٹھا کر حسینؑ گنج شہیداں میں لائے۔ ایک ہاتھ اکبرؑ کی لاش پر اور ایک ہاتھ قاسمؑ کی لاش کے ٹکڑوں پر رکھ کر حسینؑ نے بلند آواز میں فرمایا:۔

"وَ غربتا" "یا اللہ! میں غریب ہو گیا"

مہدی نامی ذاکر

کربلا کا حرم۔ مہدی کا پڑھنا۔ صبح کا وقت۔ بڑا گریہ ہوا۔

اس کے بعد لوگ گھر چلے گئے اور مہدی بھی اپنے گھر چلا گیا۔ دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد سو گیا۔ خواب میں کیا دیکھتا ہے کہ ایک پُرتقدس پردہ پوش خاتون گھر میں آئی اور مہدی سے فرماتی ہیں۔

"شیخ مہدی! تو نے آج جو روایت حرم میں پڑھی ہے نا۔ پھر دوبارہ کبھی نہ پڑھنا"..... مہدی پوچھتا ہے "بی بی! کیا یہ روایت غلط ہے؟"

بی بی نے فرمایا "نہیں۔ صحیح ہے۔ مگر جب سے تم نے یہ روایت پڑھی ہے اس وقت سے میرا حسینؑ بے ہوش پڑا ہے"

اللہ ہماری مجلسوں کو قبول و منظور فرمائے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ

احسن القصص

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خداوند عالم کی حمد و ثنا کے بعد حضرت محمد و آل محمد پر درود و سلام

محترم سامعین!

آج کے پُر آشوب زمانے میں جہاں آج کل کی نئی پود دین کی اقدار سے بے گانہ ہوتی جا رہی ہے۔ ہمیں اس بات پر فخر ہے کہ اب بھی ہمارے دل میں اور کچھ ہو یا نہ ہو مؤدت آلِ محمد ضرور ہے۔ آلِ محمد کی محبت نہ یونیورسٹیوں میں پڑھنے سے ملتی ہے۔ نہ کالجوں میں داخلے سے ملتی ہے، نہ کتابیں پڑھنے سے ملتی ہے اور نہ ہی دولت سے خریدی جا سکتی ہے بلکہ یہ وہ نعمت ہے جس کیلئے اللہ نے سورۂ جمعہ میں فرمایا ہے:۔

(یہ اللہ کا فضل ہے کہ وہ جس ظرف کو اس قیمتی شے کے قابل سمجھتا ہے اسے اس ظرف میں رکھ دیا جاتا ہے۔)

آلِ محمد کی محبت چونکہ بڑی قیمتی شے ہے اس لئے اتنی ہی زیادہ اس کی حفاظت کی ضرورت ہے۔ چاروں طرف سے یلغار ہے اور یہ بہترین ہیرا ہمارے پاس ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی چور یا ڈاکو ہم سے یہ قیمتی ہیرا چھین لے۔ اس لئے اس کی حفاظت کی بڑی ضرورت ہے۔

سامعین!

محبت کی نہیں جاتی بلکہ ہو جاتی ہے اور اگر محبت کی جائے تو وہ اظہارِ محبت ہے جسے "نفاق" کہتے ہیں۔ اب اگر پوچھو کہ محبت کیوں ہو جاتی ہے؟۔ اگر محبت کرنے والا "کیوں" بتا دے تو سمجھو اسے محبت ہی نہیں ہے۔

ورنہ محبت والے کو، "کیوں ہے" معلوم ہی نہیں ہوتا۔ ہر ایک کا اپنا دل ہے۔ جدھر آگیا۔ آگیا۔ اس میں جھگڑنے کی کوئی بات ہی نہیں ہے۔ کسی کو تخت پر بیٹھنے والے سے محبت ہو گئی۔ کسی کو بوریا نشینوں سے محبت ہو گئی۔ کسی کو قید کرنے والوں سے محبت ہو گئی اور کسی کو قید ہونے والوں سے محبت ہو گئی گویا جس کا دل جہاں مائل ہو گیا۔ محبت ہو گئی۔ محبت ہو جانے کے بعد محبت کرنے والے کو ہوش تک نہیں رہتا۔ چنانچہ عالم بے ہوشی میں ظہور محبت ہوتا ہے۔ مثلاً کپڑے پھٹ گئے، گریبان چاک ہو گیا۔ دیکھنے والے ہنسنے لگے اور کہنے لگے "یہ تو پاگل ہے، دیوانہ ہے" گویا دیوانگی ہی کمالِ محبت ہے۔

میرے سامعین!

محبت کی قسمت میں دو چیزیں لازمی ہیں۔ پہلی چیز تو یہ ہے کہ اِدھر محبت ہوئی اُدھر محبت نہ کرنے والوں کو محبت کرنے والے سے خلش ہو جاتی ہے۔ بلاوجہ کا اعتراض شروع ہو جاتا ہے جس طرح محبت کے ساتھ اگر ایک گھوڑا نکل جائے تو ہزاروں اعتراض کیے جاتے ہیں اور اگر ریس میں ہزاروں گھوڑے دوڑتے ہوں تو کوئی نہیں پوچھتا

سامعین! ـــــ اللہ جانے میں نے تو ریس دیکھی نہیں ہے۔ سُنا ہے کہ دس بیس گھوڑے ایک لائن میں کھڑے کر دیے جاتے ہیں اور ایک آدمی کے ہاتھ میں رومال ہوتا ہے اور وہ کہتا ہے۔

"ایک" گھوڑے تیار ہو گئے

"دو" اب انہوں نے پاؤں اُٹھا لیے

"تین" وہ گھوڑے دوڑ پڑے۔

میں پوچھتا ہوں، بات کیا ہے؟ تم نے کبھی پانچ کہہ کے نہیں دوڑائے چار کہہ کے نہیں دوڑائے۔ جب بھی دوڑاتے ہو "تین" ہی کہہ کر دوڑاتے ہو۔ آخر اس عدد کی خصوصیت کیا ہے؟

بہر نوع۔ محبت پہ اعتراضات ہوتے ہیں۔ اور محبت کرنے والے میدانِ

محبت میں اپنا سفر جاری رکھتے ہیں۔ پرانے زمانے کا قصّہ ہے جسے قرآن نے بھی احسن القصص قرار دیا ہے کہ جناب یوسفؑ سے زلیخا کو محبت ہو گئی۔ اب اس محبت میں رات بھر آہیں بھرتی ہے تو زلیخا؛ پریشان ہے تو زلیخا! ۔ مگر مصر کی رہنے والی ساری عورتیں کہہ رہی ہیں کہ" زلیخا کو کیا ہو گیا ہے۔ زلیخا کو یوسفؑ سے محبت کیوں ہے"؟ ——

اب اُن سے کوئی پوچھے " تمہیں کیا تکلیف ہے "

بہر طور۔ زلیخا بھی روز سنتی کہ میری محبت پہ اعتراض ہو رہا ہے۔ حاکمِ وقت تھی۔ غصہ تو بڑا آیا مگر اس نے کہا " غصّے سے کام نہیں چلے گا۔ پہلے ان اعتراض کرنے والوں کو گھر بلاؤ اور تبرکاً ان کے کھانے کا انتظام کرو اور جب وہ سب آ جائیں تو پہلے انہیں کھلاؤ، پلاؤ۔ پھر اُن سے کہو " آپ کو کیا اعتراض ہے " اب وہ اپنا اعتراض بیان کریں گی۔ پھر جس سے آپ کو محبت ہے۔ جن اداؤں کو آپ پسند کرتے ہیں۔ انہیں بھی دکھاؤ۔ پھر دیکھنا وہ محبت میں تمہارے ساتھ شامل ہوتی ہیں یا نہیں؛ چنانچہ زلیخا نے یہی طریقہ اختیار کیا۔ گھر میں دعوت کا انتظام کیا اور تمام اعتراض کرنے والی مصر کی عورتوں کو اکٹھا کر لیا۔ اُن کو کھلایا پلایا۔ آخر مصری تھیں۔ میٹھی میٹھی باتیں کر رہی تھیں۔ جب وہ سب کھانا کھا چکیں تو زلیخا نے انہیں ایک ایک لیموں دے دیا اور ایک ایک چھُری بھی ہاتھ میں پکڑا دی اور کہا۔

" دیکھو۔ اس چھُری سے لیموں کو اس وقت کاٹنا جب یوسفؑ تمہارے سامنے نہ آ جائے "

اب وہ تمام عورتیں اس انتظار میں بیٹھی ہیں کہ یوسفؑ کب آتے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد زلیخا نے اِدھر سے اشارہ کیا اور اُدھر کمرے کا پردہ اٹھا۔ یوسفؑ باہر نکلے۔ ایکدم بجلی چمکی اور چھُریاں چل گئیں —— یوسفؑ کو دیکھتی رہ گئیں اور بے ساختہ اُن کے منہ سے نکلا " ہم غلطی پر تھیں۔ یوسفؑ واقعی محبت کرنے کے قابل ہے "۔

بہر طور۔ یوسفؑ واپس چلے گئے۔ اور وہ عورتیں بھی اپنے اپنے گھروں میں

چلی گئیں۔ جب وہ گھر پہنچیں جب پتہ چلا کہ "ہماری تو انگلیاں کٹ چکی ہیں"۔

ہم نے پوچھا۔ عورتو! وہاں تمہیں کیوں نہ پتہ چلا کہ تمہاری انگلیاں کٹ چکی ہیں؟"

وہ جواب میں کہتی ہیں "محبت کے لگائے ہوئے زخموں کا پتہ ہی نہیں چلتا۔ یہ زخم کسی ڈاکٹر کے محتاج ہوتے ہیں اور نہ ہی کسی طبیب کے محتاج ہوتے ہیں"

میں کہتا ہوں "مصری عورتو! تم خوش نصیب ہو۔ نہ تھا ہمارے زمانے کا کوئی مفتی! ورنہ فتویٰ لگا دیتا کہ اپنے جسم کو زخمی کرنا حرام ہے"۔ مگر یہ پتہ نہیں کہ جمال محبت میں محو ہو کر اپنے بدن کو زخمی کر لینا ہی احسن القصص ہے۔ اللہ کی نظروں میں حسین ترین قصہ ہے"

سامعین!

اپنے اپنے یوسف کا اقبال ہے۔ کسی یوسف کا حسن اس حد کا ہے کہ وہ بذات خود سامنے آئے تو چند عورتوں کی انگلیاں کٹ جائیں اور کوئی یوسف اتنا حسین ہے کہ صرف اس کے تذکرے سے کروڑہا انسان اپنا جسم چھلنی کر دیتے ہیں۔ بہر نوع۔ یہ اپنا اپنا اقبال ہے۔

دوسری خاصیت یہ ہے کہ آپ کو جس سے محبت ہو جائے کبھی ایسا ہو سکتا ہی نہیں کہ آپ کو تو اس سے محبت ہو مگر اسے آپ سے محبت نہ ہو۔ اسے بھی لازماً آپ سے محبت ہو گی۔ محبت ہمیشہ طرفین سے ہوتی ہے۔ غریب کو امیر سے محبت ہو جائے تو اسے بھی اتنی ہی محبت ہو گی۔ رعایا کو بادشاہ سے محبت ہو جائے تو اسے بھی اتنی ہی محبت ہو گی۔ ایک گدا کو قیصر سے محبت ہو جائے تو اسے بھی اتنی ہی محبت ہو گی۔ یہ اور بات ہے کہ اظہار نہ ہو سکتا ہو۔ مگر محبت ہوتی ہے۔ محبت کرنے والا آپ کی کسی زحمت کو بھی برداشت نہیں کرے گا ——— مگر شرط یہ ہے کہ ہو واقعی اور حقیقی محبت!

سامعین ——— ! مصیبت یہ بن گئی ہے کہ جس دنیا میں ہم ہیں اس میں بغیر کسی لالچ، طمع یا غرض کے کوئی محبت ہے ہی نہیں۔ ایسی

محبت تو صرف اظہار محبت ہے ۔ مثلاً ہم کسی ٹیکسی میں بیٹھے ۔ ڈرائیور
" جی حضور، کہہ کر استقبال کرے گا ۔ ہم آپ کے لئے کھڑے ہیں ۔ ہم
آپ کے نوکر ہیں ، پانچ روپیہ لینا ہیں "
ہم نے کہا ۔ بھئی ، دو روپے لے "
ڈرائیور کے تیور فوراً بدل جائیں گے ۔ " آگے بڑھو میاں ۔ کبھی ٹیکسی
میں بیٹھا بھی ہے " اور اگر ہم نے حسب منشاء پیسے دے دیئے تو کہے گا
" آپ حضور ہیں ۔ آپ سرکار ہیں "
بہر لوع ۔ ایسی محبت لالچ اور غرض کی محبت ہے جسے ہم غلطی سے محبت
سمجھ بیٹھے ۔

ایک ہوتی ہے "ڈر کی محبت" ! جس طرح ایک رعایا کو اپنے حاکم سے محبت
ہوتی ہے ۔ " جناب آپ جیسا حاکم تو کوئی آیا نہیں ۔ آپ تو بڑے عادل ہیں ۔
ہم لوگ آپ کے بڑے اطاعت گذار ہیں ——— " اور جب بدل گیا تو فوراً
" کہدیا " اچھا ہوا ۔ نامراد دفع ہوگیا ۔ بڑا راشی تھا " ایسی محبت ڈر کی محبت ہے
تیسری محبت ہے وقتی اور فوری محبت ! جس طرح ریل کے ڈبے میں مسافروں
کی آپس میں محبت ہو جاتی ہے ۔ اور جب اپنا اپنا اسٹیشن آتا ہے تو ہر مسافر
محبت کو ساتھ لیکر اترتا جاتا ہے ۔ بعد میں یاد ہی نہیں رہتا کہ وہ کون تھا ۔ گویا دوران
سفر کی محبت بالکل "غیر معتبر" ہوتی ہے ———

لہٰذا ایسی محبتوں کا میں ذکر نہیں کرنا چاہتا ۔ واقعی اور سچی محبت ہو تو
کبھی ایسا ہو سکتا ہی نہیں کہ دوسرے کو بھی آپ سے محبت نہ ہو جائے ۔ گویا محبوب
جتنا ہی شریف ہوگا ۔ اتنا ہی آپ کے چاہنے کی قدر کرے گا ۔

میرے سامعین !

اگر واقعاً آلِ محمد سے ہمیں محبت ہے تو آلِ محمد کو بھی ہم سے زیادہ
ہم سے محبت ہے ۔ ہم تو اتنی محبت کر ہی نہیں سکتے جتنی وہ ہم سے کرتے ہیں ۔ وہ

فرماتے ہیں ،، ہمارے چاہنے والو! ہمیں تم سے بڑی محبت ہے "گویا دنیا کے پیر و مرشد کی بات اور ہے اور ہمارے ان محبوب پیشواؤں کی بات اور ہے۔ دنیا آج چاہے تو آزما کے دیکھ لے بے پیر تو دنیا میں کوئی ہے ہی نہیں۔ ہر ایک کا کوئی نہ کوئی پیر مرشد ضرور ہے۔ جس طرح ایک شخص، پیر صاحب کی بیعت کرتا ہے، "پیر صاحب! آج سے آپ میرے پیر ہیں اور میں آپ کا مرید ہوں" فرمائیے، میرے ذمہ کیا کام ہے؟"

پیر صاحب فرماتے ہیں، "تیرے ذمہ کام یہ ہے کہ جب تنخواہ ملا کرے تو اس کا اتنا حصہ مجھے دیا کرنا۔ جب میرے سلام کو آیا کرے تو اتنا نذرانہ لایا کرنا"

مرید پوچھتا ہے، "پیر صاحب! کبھی میرے گھر بھی تشریف لاؤ گے؟"

"ہاں آؤں گا۔ جب تیرے بیٹے کی شادی ہوگی یا تیرے گھر کوئی خوشی ہوگی۔ اور دیکھو! ایک کام تمہارے ذمہ اور ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جب میرا نام لیا کرے تو ،، رحمۃ اللہ عنہ" کہدیا کرنا تاکہ اللہ مجھ سے راضی ہو جائے"۔

اب مرید بیچارہ سوچتا ہے کہ پیر میں نے اس لئے بنایا تھا کہ اس کی ہزاروں خدمتیں کروں گا جس کی بدولت اللہ مجھ سے راضی ہوگا مگر مصیبت یہ بن گئی ہے کہ اپنے پیر سے اللہ کو راضی کرنا بھی مرید کے ذمہ پڑ گیا۔ بہر نوع۔ پیر صاحب نے کہدیا کہ میں جب آؤں گا جب تیرے گھر کوئی خوشی کی تقریب ہوگی" ——— مگر میرے محبوب مرشدوں کو دیکھو! وہ ہر وقت اپنے چاہنے والوں کو نہیں بھولتے وہ تو یہ فرماتے ہیں ،، ہمارے چاہنے والو! گھبرا نہ جانا ہم ہر وقت تمہارا لحاظ رکھتے ہیں "۔ اِدھر ہم عرض کرتے ہیں:۔

"مولا! ہم آپ کے چاہنے والے ہیں۔ ہمیں محبت کا تو پورا دعویٰ نہیں ہے مگر اتنا دعویٰ ضرور ہے کہ آپ کے دشمنوں سے ہمیں کوئی واسطہ نہیں۔ یہ امتحان آپ جب چاہیں ہم سے لے سکتے ہیں۔ لہٰذا ہم بھی چاہتے ہیں کہ آپ ہمارے گھر تشریف لائیں"

چنانچہ آلِ محمد فرماتے ہیں ،، ہمارے چاہنے والے! ہم ضرور آئیں گے۔

جب تیرے گھر خوشی ہوگی جب بھی چاہے بُلا لینا اور جب تجھ پر کوئی مشکل آپڑے تو جب بھی ہمیں بُلا لینا۔ اور دیکھو! اگر تجھ میں بُلانے کی طاقت نہیں رہے گی۔ تیرا نزع کا وقت ہو گا جو سخت مشکل ہو گا وہاں تیرے بن بلائے ہم آجائیں گے تیرے سرہانے آجائیں گے۔ فکر نہ کر۔ گھبرا نہیں ہم ہر منزل پہ تیرا ساتھ دیں گے۔ کسی فرشتہ کی طاقت نہیں کہ ہمارے ہوتے ہوئے تجھ سے کچھ پوچھ جائے"۔ یہ بات میرے مولانے کوفہ کے منبر پہ بیٹھ کر فرمائی تھی کہ:۔

"اُس وقت تک کوئی مر ہی نہیں سکتا جب تک میں سرہانے نہ آجاؤں"

سامعین!

مولا جب یہ فرما چکے تو ہمدان کے رہنے والے حارث نامی آدمی نے سوال کیا "مولا! وہ مرنے والا چاہے مومن ہو یا کافر"؟

فرمایا "ہاں۔ میں ہر مرنے والے کے سرہانے آتا ہوں اور آکے کہتا ہوں۔ سلامٌ علیکم۔ میں آگیا۔ تو نے ساری زندگی تکلیفیں اٹھائیں۔ لوگوں کے طعنے سُنے۔ تجارت میں۔ ملازمت میں۔ ہر جگہ نقصان اٹھایا۔ مگر میرا دامن نہ چھوڑا میں بے وفا نہیں ہوں۔ اب میں آگیا ہوں۔ اب تو میرے ساتھ ہے اور میں تیرے ساتھ ہوں"۔ چنانچہ میری اس بات سے مومن اتنا خوش ہوتا ہے کہ وہ اپنی جان بطور نذرانہ مجھے پیش کر دیتا ہے۔ لہٰذا میں مومن کو مرنے نہیں دیتا بلکہ اسے کہتا ہوں "میرے چاہنے والے! میں نے تجھے حیاتِ جاوید بخش دی۔ اب تو میرے ساتھ رہے گا"۔ اور جب میں منافق کے سرہانے آتا ہوں، کہتا ہوں "مجھے پہچانا۔ میں آیا ہوں۔ وہ نہیں آئے۔ ساری عمر مجھ سے باغی رہنے والے! اب بول کہاں جائے گا؟ بس میرا اتنا کہنا کہ وہ مرجاتا ہے"۔

پھر اُس حارث ہمدانی نے پوچھا "مولا! کیا مومن نہیں مرتا؟

فرمایا "نہیں۔ تم قبرستان میں جاکر دیکھو۔ جب میرے والا مرتا ہے تو اُسے قبر میں لٹا کر کہا جاتا ہے۔ "سن اور سمجھ"

یہ کہیں مُردوں سے کہا جاتا ہے ؟ بلکہ یہ تو اُن سے کہا جاتا ہے جو زندہ ہوں "

حضور والا !

لُطف یہ ہے کہ ساری زندگی تو عربی کا ایک حرف نہ سیکھا مگر مرتے ہی ایسے علامہ ہو گئے کہ عربی میں بات ہو رہی ہے ۔

"سُن اور سمجھ" اس لئے کہ مرتے دم اس کے سرہانے علم کے شہر کا در کھُل گیا تھا

بہر نوع ۔ ہمارے پیشوا ہر مشکل میں ہمارا لحاظ رکھتے ہیں ۔

سامعین !______ بعض اوقات ہمیں غصہ بھی آ جاتا ہے چونکہ ہمارے ظرف تھوڑے ہیں اس لئے مولا سے کہہ بیٹھتے ہیں ۔

"مولا ! اپنے دشمنوں کے پکارنے پہ نہ آیا کرو ۔ یہ نامراد ساری زندگی تو ہمیں تنگ کرتے ہیں مگر جب مصیبت پڑتی ہے تو آپ کو پکارتے ہیں ۔ لہٰذا آپ نہ آیا کریں "

مولا جواب میں فرماتے ہیں "بیٹا ۔ صبر کرو ۔ دیکھو نا ! ہم نے کب اعلان کیا ہے کہ ہم "عیش کشا" ہیں ؟ ہم نے کب کہا ہے کہ ہم "راحت کشا" ہیں ؟ ۔ راحت و عیش میں وہ جسے چاہیں بُلا لیں ۔ ہمارا تو اعلان ہی یہی ہے کہ ہم "مشکل کشا" ہیں گویا جس پہ مشکل پڑ جائے وہ ہمیں پکار لیا کرے ۔ ذرا انہیں بھی بلانے دو ۔ وہ بھی کیا یاد کریں گے کہ کسی کو بُلایا تھا ۔"

محترم سامعین !

امیر المومنین کا فرمان تو آپ نے سن لیا ۔ اَب "مناقب شعرا" کی ایک روایت سماعت فرمایئے گا ۔

روایت میں ہے کہ جناب سیدہ طاہرہ فرماتی ہیں کہ امیر المومنین علی ابن ابی طالب ہر مرنے والے کے سرہانے اس لئے آتے ہیں کہ بحیثیت "ولی اللہ" اُن کا یہ ولایت میں شامل ہے ۔ لہٰذا وہ اپنے عہدے کے اعتبار سے تشریف

لاتے ہیں ـــــــــ مگر یاد رکھو! جب میرے بیٹے کا عزادار مرتا ہے تو اس کے سرہانے میں بھی آتی ہوں۔ میری کرسی بچھا دی جاتی ہے۔ میں آ کے بیٹھ جاتی ہوں اور مرنے والے سے کہتی ہوں۔

"مرنے والے! تجھے کوئی تکلیف تو نہیں ہے بتا تجھے کچھ اذیت تو نہیں ہے؟ تو میرا محسن ہے۔ تو نے میرے بیٹے کی صفِ ماتم بچھائی ہے۔" اور جب ملک الموت آتا ہے تو وہ چالیس قدم کے فاصلے پر ٹھہر کر امیرالمومنینؑ سے عرض کرتا ہے۔

"مولا! میں آگے نہیں آ سکتا۔ یہاں تو حضور مکرمہ عالم تشریف فرما ہیں میری کیا مجال جو میں قریب آ جاؤں، چنانچہ جناب سیدہ فرماتی ہیں۔ ملک الموت تم آ سکتے ہو۔" ملک الموت سہما ہوا آتا ہے اور کہتا ہے۔

"بی بی! میں اس کی روح ختم کرنے آیا ہوں۔"

بی بی فرماتی ہیں "ہاں۔ ہمیں پتہ ہے کہ تم اس کی روح قبض کرنے آئے ہو۔"

"بی بیؑ! پھر میرے لئے کیا حکم ہے؟" اس کے دہن سے قبض کر لوں؟

آپ فرماتی ہیں "نہیں" دہن کو ہاتھ نہ لگانا۔ اس سے تو ہزاروں مرتبہ نکلا ہے۔ "ہائے حسینؑ" پھر ملک الموت پوچھتا ہے۔ "بی بی! اس کے سینے سے اس کی روح قبض کر لوں؟

بی بی فرماتی ہیں۔ "ملک الموت! پھر تو نے سینے کا نام لیا۔ دیکھتا نہیں کہ اس پر ماتم کا نشان ہے؟"

اب ملک الموت کہتا ہے۔ "بی بیؑ! اس کی آنکھوں سے۔" بس آنکھوں کا نام لینا تھا کہ بی بی کو جلال آ گیا اور فرماتی ہیں "اس کی آنکھیں تو ہزاروں مرتبہ میں نے اپنے رومال سے صاف کی ہیں!"

آخر ملک الموت حیران ہو کے پوچھتا ہے۔ "بی بیؑ! پھر میرے لئے کیا حکم ہے؟"

سیدہ طاہرہ فرماتی ہیں۔ "ملک الموت! تم جنت میں جاؤ۔ اور فلاں درخت جو ہے۔ اس کا پھول لے آؤ۔" چنانچہ ملک الموت پھول لاتا ہے۔ اب بی بیؑ فرماتی

ہیں۔ "اِسے مرنے والے کو سنگھا دو" گویا اس کی رُوح خوشبو بن کے اُس پھول میں سما جاتی ہے۔

اب سیّدہ فرماتی ہیں۔ "ملک الموت! اسے جاؤ اس پھول کو اور قیامت کے دن اسے میرے سامنے پیش کرنا کیونکہ میرے بیٹے کا عزادار تھا۔"

بہر نوع ہر شکل میں محمد و آل محمدؐ تشریف لاتے ہیں اور ہماری نصرت فرماتے ہیں۔

حضرات گرامی!

قیامت کے روز ساری دنیا اکٹھی ہو گی۔ جہاں تک روایتوں میں موجود ہے کہ حکم ہو گا "قیامت والو! سر جھکا کے آنکھیں بند کر لو۔" چنانچہ سب آنکھیں بند کر لیں گے سر جھکا لیں گے۔ سانس تک رُک جائے گی۔ لوگ ایک دوسرے سے پوچھیں گے "کیا بات ہے؟" فرشتے جواب دیں گے "خاموش رہو۔ خاتونِ قیامت تشریف لا رہی ہیں۔" چنانچہ سیّدہؑ طاہرہ کی سواری گذرے گی۔ انبیاءؑ اولیاءؑ سب سر جھکائے خاموشی سے کھڑے رہیں گے۔ بی بیؑ عرش الٰہی پر پہنچ کر فرمائیں گی۔

"خداوندا۔ آج تیری عدالت کا دن ہے۔ میں زندگی میں دوسری دفعہ عدالت میں آئی ہوں۔ ایک دفعہ دنیا کی عدالت میں گئی تھی۔ آج تیری عدالت میں آئی ہوں۔ میرے اللہ! آج تجھ سے فریاد کرنے آئی ہوں کہ۔

"میرے گھر میں ایک دن میں بہترؑ قتل ہو گئے۔ میں نے کسی کو کچھ نہیں کہا۔ آج پہلی دفعہ میرا استغاثہ ہے، میری فریاد ہے۔"

ادھر سیّدہؑ طاہرہ نے فریاد کی اُدھر زلزلہ قیامت آ گیا۔ روایت میں ہے کہ ابراہیم جیسا جلیل القدر پیغمبر قیامت کے خوف سے گھٹنوں کے بل کھڑا ہو جائیگا اتنی ہولناکی ہو گی۔ آخر تمام انبیاءؑ لرزتے ہوئے خاتم انبیاءؐ کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔

"محمدؐ! خدا کے لئے ہماری خبر لیجئے۔ سیّدہ نے شکایت کر دی ہے۔ اللہ کو جلال آ گیا۔" چنانچہ رحمۃ اللعالمینؐ اپنی ذریت کے ساتھ تشریف لائیں گے۔

اور سیدہ کے سر پہ ہاتھ پھیریں گے۔ سیدہ فرمایئں گی۔ "ابا حضور ٹھہرو آج مجھے خدا سے فریاد کرنے دو۔"

سامعین!

یہاں تک تو آپ کی روائتیں ہیں۔ مگر جو میں اپنے تصور کی بات کہہ رہا تھا وہ یہ ہے کہ ممکن ہے عدالت الہٰی سے یہ حکم ہو جائے کہ:-

"سیدہ! تمہارا مقدمہ بجا ہے جس کا فیصلہ آج ہم سنایئں گے۔ مگر مقدمہ مکمل کرنے کے لئے ہم چاہتے ہیں کہ کسی چشم دید گواہ کا بیان قلمبند کیا جائے۔ ہے کوئی تمہارے اس مقدمے کا چشم دید گواہ۔؟"

بی بی فرمایئں گی۔ "خداوندا۔ اگر میرے بہتر شہیدوں کا آئینی گواہ چاہتا ہے تو چشم دید گواہ ہے میری بیٹی زینبؑ۔ چنانچہ عدالت الہٰی سے تمام حوران جنت کو حکم ہو گا کہ شام میں زینبؑ کے پاس جاؤ اور کہو کہ اماں نے عدالت میں مقدمہ کیا ہے اور تجھے گواہ کر کے بلایا ہے۔" چنانچہ حوریں جایئں گی۔ اور زینبؑ اسی طرح عدالت الہٰی میں تشریف لایئں گے جس طرح کوفہ و شام کے بازار میں آئی تھیں۔ سر کھلا ہوا۔ ہاتھ بندھے ہوئے اور زین العابدینؑ مہار پکڑے ہوئے۔ قیامت میں منادی ہو گی۔

"لوگو! ہٹ جاؤ۔ زینبؑ آ رہی ہے۔" ادھر ہم سب دم بخود کھڑے ہو کر آواز دیں گے "ہائے حسینؑ" زینبؑ اپنی سواری روک لے گی اور بھائی عباسؑ کو حکم دے گی۔ "عباسؑ بھائی! یہ حسینؑ کے ماتم دار ہیں۔ ان سب کو میرے سامنے لاؤ میں انکی زیارت کرنا چاہتی ہوں۔" چنانچہ ہم بی بی کے قریب ایک حلقہ میں کھڑے ہو جایئں گے جناب عباسؑ غازی اپنے علم کا پھریرہ کھول دیں گے "ہائے حسینؑ"۔ "ہائے حسینؑ" کی آوازیں بلند ہوں گی ماتم شبیرؑ شروع ہو جائے گا۔ پھر اچانک ایک غیبی آواز آئے گی ———— "بس۔ قیامت کے ماتم داروں کو ایک طرف کر دو اور تماشائیوں کو ایک طرف کر دو۔"

اللہ ہمیں مودۃ محمدؐ و آل محمدؐ عطا فرمائے

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم۔ اللھم صل علی محمد و آل محمد

حسینؑ اور اسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خداوند عالم کی حمد و ثناء کے بعد حضرات محمدؐ و آلِ محمدؐ پر درود و سلام

سامعین کرام!

تم ایک ایسے دین کے ماننے والے ہو، تم ایک ایسے طریقے پہ چلنے والے ہو، تم ایک ایسے ضابطے کے پابند ہو۔ تمہارا ایک ایسا آئین ہے۔ تمہارا ایک ایسا دستور ہے تمہارا ایک ایسا نظام ہے۔ تم ایک ایسے آئین میں رہتے ہو کہ دنیا بھر کے آئین جسکو آئینہ دکھاکے شرما جاتے ہیں۔ دنیا بھر کے دستور جس کے سامنے حسب دستور خاموش ہو جاتے ہیں۔ دنیا بھر کے ضابطے جہاں آکے ضبط ہو جاتے ہیں اور دنیا بھر کے عقل مندوں کو جہاں آکے خبط ہو جاتا ہے۔ تم ایسے دین کے ماننے والے ہو۔

تمہارا دین! اللہ کا پہنچایا ہوا آخری دین۔ خدا کا کیا ہوا آخری کلام اللہ کا بھیجا ہوا آخری پیغام۔ خدا کی کی ہوئی آخری گفتگو۔ اللہ کی دی ہوئی آخری کتاب۔ اللہ کا کیا ہوا آخری خطاب

لہٰذا تمہارا دین وہ دین ہے کہ اس کے بعد اللہ خاموش ہو گیا۔ کلام کرکے جس کے بعد کلام ختم کر دیا۔ ایسے اچھے دین کے تم ماننے والے ہو! تمہارے دین کا نام ہے اسلام۔ تمہارا کام ہے دنیا کا انتظام۔ تمہاری ہستی ہے عالم کا اہتمام۔ تم ہو ساری کائنات کے امام۔ دنیا کی ہر شے ہے تمہاری غلام۔ تمہارا ایسا عجیب و غریب بے مثل و عزیز دین ہے اسلام۔

محترم سامعین!

اگرچہ اسلام کی زندگی بڑی طویل ہے۔ آدم علیہ السلام نہ تھے اسلام تھا۔ کائنات کے ذرے نہ تھے اسلام تھا۔ گویا اسلام کی زندگی بڑی طویل ہے مگر ہمارے سامنے اس آب و تاب کے ساتھ یہ اسلام عرب کی سرزمین سے آیا۔ مطلع عرب سے ایک آفتاب جلوہ گر ہوا اور اپنی کرنیں عالم میں پہنچائیں اسکی شعاؤں نے قرطبہ کی گھاٹیاں جگمگائیں ہندوستان کے گنگا اور جمنا کو سیراب کیا۔ اس نے ریگستانوں کو سرسبز کیا۔ اس نے بنجروں کو آباد کیا۔ اس نے انسان کے بجھے ہوئے دل میں ایک نخلستان تازہ کیا۔ گویا عرب کی سرزمین سے ایک آفتاب ابھرا۔ ایسا آفتاب کہ بے پڑھے لکھے جسے بے پڑھا کہتے ہیں۔ ان پڑھ جسے ان پڑھ کہتے ہیں اور اللہ جسے اُمّی کہتا ہے۔ آج ہم اس آفتاب کا کلمہ پڑھتے ہیں اسکے ہم غلام ہیں۔ اس کے نام کی بدولت ہم زندہ ہیں اور زندہ رہیں گے اور محمد رسول اللہ اس کا نام ہے۔ بہر نوع۔ تم ایک دین کے ماننے والے ہو۔ اور وہ دین ہے اسلام جس میں سلامتی ہی سلامتی ہے۔ دنیا کی ہر شے اس میں موجود ہے گویا وہ تمہاری اپنی پسند ہے

دیکھو نا! بڈھا، جوان، بچہ، کوئی ایسا ہے جسے پھول پسند نہ ہو۔ پھول ایسی چیز ہے نا جس کو سب پسند کرتے ہیں۔ کیوں بچو! پھول پسند ہے؟ جوانو! پھول پسند ہے؟ جوانوں اور بچوں کے بعد میں سفید داڑھی والے بابا سے پوچھتا ہوں "بابا! پھول پسند ہے؟" ادھر بابا ہے کہ پھولا نہیں سماتا۔ گویا ہر ایک کو پھول پسند ہے۔ اب ہر ایک سے پوچھو کونسا پھول پسند ہے؟ جتنے نوجوان ہیں وہ کہیں گے "جواب۔ ہمیں تو دو پھول پسند ہیں۔ یا تو موتیا کا پھول جس کی خوشبو شباب میں لطف پیدا کرتی ہے یا نرگس کا پھول جس کو دیکھنے میں جوانی کا سواد آتا ہے۔ یہ تو نوجوان کی پسند ہے۔ اب ذرا بابا سے پوچھو: بابا! تمہیں کونسا پھول پسند ہے؟

بابا جواب میں کہے گا "مجھے گلاب کا پھول پسند ہے۔ کیونکہ میں اس کا گلقند

بتاتا ہوں۔ لہٰذا مجھے پسند ہے۔ اس کے بعد میں نے ایک بیچارے بھگوڑے سے پوچھا: بھئی تجھے کون سا پھول پسند ہے؟

بولا " بھئی، مجھے تو گوبھی کا پھول پسند ہے۔ پیٹ بھر جاتا ہے"

بہر نوع۔ ہر ایک کی اپنی اپنی پسند ہے۔ اس میں جھگڑنے کی کیا بات ہے۔ جسے آپ چاہیں پسند کریں۔ جسے میں چاہوں پسند کروں۔ کوئی جھگڑے کی بات تو نہیں۔ جسے انبیاء چاہیں انبیاء پسند کرلیں۔ جسے اولیاء چاہیں اولیاء پسند کرلیں۔ اور جسے مومنین چاہیں مومنین پسند کرلیں۔ جسے بندے چاہیں۔ بندے پسند کریں اور جسے اللہ چاہے اللہ پسند کرے۔ اس میں جھگڑے کی کیا بات ہے۔ جو جس کو پسند آجائے سبحان اللہ۔ بہر کیف ہمارا دین اسلام ہے جس میں دنیا کی ہر شے، ہر پسند موجود ہے۔ اس دین کا تعارف کروانے کے لئے اللہ نے محمدؐ کا انتخاب فرمایا۔ اور ہادی اعظم نے ہمیں ہدایت کی۔ ہم بت پرست تھے۔ خدا پرست ہو گئے۔ ہم جاہل تھے۔ عالم ہو گئے۔ ہم گڈریے تھے، پاسبان بن گئے۔ ہم بے ایمان تھے، صاحب ایمان بن گئے۔ ہمیں کچھ نہ آتا تھا، ہم سب کچھ جاننے لگے۔ ہم شاگرد بھی نہ تھے استاد بن گئے۔ گویا ہم نے عالم کی زمام اپنے ہاتھ میں سنبھال لی۔ دنیا کی حکومتوں کو الٹ پلٹ کیا۔ قیصر و کسریٰ کے محل ہم نے پیروں تلے روند دیئے۔ ایران کے دجلہ و فرات میں ہم نے گھوڑے دوڑا دیئے۔ بحر ظلمات ہم سے کانپنے لگے۔ زمین و آسمان ہم سے ڈرنے لگے۔ فرشتے ہمیں سجدہ کرنے لگے۔ اور ریاضی کے بتائے ہوئے علوم کی طاقت ہے کہ آج کا انسان چاند پہ کمند پھینک رہا ہے یہ کچھ اسی کی بتائی ہوئی باتیں ہیں۔ اب اسی بتانے والے نے ہمیں یہ بھی بتا دیا کہ دین اسلام ہے۔

اب اسلام کے بتانے والے نے اسلام کو پالنا شروع کیا۔ اللہ نے اس کے ذمہ یہ لگا دیا کہ دو چیزوں کو ساتھ ساتھ پالو۔ ایک دین ہے جسے اسلام کہتے ہیں ایک دین پناہ ہے جسے حسینؑ کہتے ہیں۔" دین کو بھی پالنا اور دین پناہ کو بھی پالنا"

چنانچہ محمدؐ نے پالنا شروع کیا اور پالنے کا انداز یہ تھا کہ دین محمدؐ کے سینے میں پل رہا تھا اور دین پناہ محمدؐ کے سینے پہ پل رہا تھا۔ محمدؐ کے منہ سے الفاظ نکلتے تو وہ دین کی خوراک بنتے اور زبانِ محمدؐ سے جو دُودھ نکلتا وہ دین پناہ کی خوراک بنتا۔ گویا دین اور دین پناہ ایک ہی گھر میں پیدا ہوئے۔ ایک ہی باپ نے انہیں پرورش کیا۔ ایک ہی خاندان میں پلے اور جب جوان ہوئے تو دین کا نام ہوگیا اسلام اور دین پناہ کا نام ہوگیا حسینؑ گویا حسینؑ اور اسلام ایک گھر میں پیدا ہوئے۔ ایک ساتھ پلے۔ ایک ساتھ بڑھے۔ ایک ساتھ پروان چڑھے اور ایک ساتھ کھیلے۔

سامعین!

حسینؑ اور اسلام کے کھیلنے کا تمہیں ایک قصہ سنا دوں۔

ایک دن رسولؐ کی مسجد میں اسلام تھا۔ اور رسولؐ کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ رسولؐ نماز پڑھ رہے تھے۔ یہ اسلام کا کھیل تھا۔ رسولؐ سجدے میں گئے اسلام بھی ــــــــ سجدے میں تھا۔ اتنے میں اسلام نے دور سے اپنے بچپن کے ساتھی کو آتے دیکھا دیکھ کر اسلام مچل گیا۔ "آؤ حسینؑ! کھیلیں"۔ چنانچہ حسینؑ آکے رسولؐ کی کمر پہ بیٹھ گیا اب دونوں ساتھیوں نے کھیلنا شروع کر دیا۔ حسینؑ اور اسلام سجدے میں ہیں۔ دونوں اپنے اپنے کام میں مشغول ہیں۔ ادھر کھیل ختم ہوا ادھر حسینؑ اٹھ کر گھر چلے گئے۔

• اماں سلام۔

• بیٹا! کہاں گئے تھے؟"

• اماں! مسجد میں گیا تھا۔ وہاں اسلام اور میرے نانا تھے"

• حسینؑ! پھر تم نے کیا کیا؟"

• اماں! میں اسلام کے ساتھ مل کے نانا سے کھیلتا رہا۔ نانا میری ناز برداری کرتے رہے"

• بیٹا! وہ کیسے؟

• اماں! نانا سجدے بھی کرتے رہے اور مجھے بھی کمر پہ بٹھائے رکھا"

"بیٹا! آئندہ ایسا کھیل نہ کھیلنا تمہارے نانا کو تکلیف ہوئی ہوگی"
بس۔ یہ سُننا کہ حسینؑ کو جوش آگیا اور پورے بچپن کے لہجہ میں فرماتا ہے۔
"اماں! ...... میری بات سُن۔ اگر میرے کمر پہ بیٹھنے سے نانا کو تکلیف ہوئی ہے تو میں تیرے دُودھ کی قسم کھاتا ہوں کہ اگر سجدہ کا بدلہ نہ اتار دوں تو دُودھ نہ بخشے گا۔ اور اماں سن! نانا نے سجدے سے سر اٹھا تو لیا تھا چاہے دیر سے اٹھایا تھا۔ مگر میں تجھ سے وعدہ کرتا ہوں کہ جب میں نے سجدے میں سر رکھ دیا۔ تو خود نہیں اٹھاؤں گا۔ قاتل اٹھا کرلے جائے تو لے جائے۔ میں نہیں اٹھاؤں گا"

بزرگانِ من!

جناب رسالتمآبؐ کی رحلت کے بعد حسینؑ بھی یتیم۔ اسلام بھی یتیم۔ رسُولؐ کے گھر والے اسلام کو پال رہے تھے اور حسینؑ کو بھی پال رہے تھے۔ کچھ مدت بعد اتفاق ایسا بنا کہ اسلام مدینہ سے چل کر شام میں پہنچا اور شام کے راہب نے اسلام کو جھوٹے فتوے، جھوٹی حدیثیں اور ملوکیت کی زہر پلا دی۔ اسلام کا سارا بدن زخمی ہوگیا اور جب بالکل زخمی ہو کے مرنے لگا تو اسلام نے آواز دی۔

"مددگار! میں مر رہا ہوں۔ کوئی ہے جو مجھے بچالے؟"
اسلام کی یہ آواز مدینہ میں پہنچی اور حسینؑ نے سن لی۔ فرمایا:
"یہ کون ہمیں مدد کے لئے پکار رہا ہے؟"
اسلام نے عرض کی "حسینؑ! مجھے بچالو۔ میں مر رہا ہوں۔ مجھے یزیدیت نامی بیماری چمٹ گئی ہے"۔ حسینؑ نے کہا "اسلام! فکر نہ کر۔ پرواہ نہ کر۔ میں تیرا علاج کروں گا"۔ حسینؑ اٹھے۔ سیدھے گھر میں گئے۔ بہن کو دیکھا اور فرمایا۔
"زینبؑ! تُسنتی بھی ہو۔ آج اسلام نے ہمیں مدد کے لئے پکارا ہے۔ ہم اُس کا علاج کرنا چاہتے ہیں۔ زینبؑ! تم میرے ساتھ چلو۔ ہم دونوں بہن بھائی مل کے علاج کریں گے"

اور بہن کو دیکھو! ـــــــ اگر اسلام کو خون کی ضرورت پڑی تو میں مہیا کرونگا۔ اور اگر بے پاندھنے کی ضرورت پڑی تو تمہاری چادر کام آئے گی۔ چلو دونوں بہن بھائی مل کے اسلام کا علاج کریں:

حضورِ والا!

دونوں بہن بھائی چل پڑے۔ جتنی مناسب دوائیں تھیں حسینؑ نے سب ساتھ لے لیں۔ اور کربلا کے جنگل میں جا پہنچے۔ دیکھا کہ اسلام کو ہزاروں کیڑے چمٹے ہوئے ہیں۔ بس طبیب اعظم نے وہیں ڈیرے لگا دیئے۔ دو محرم سے لیکر ساتویں تک اپنی دواؤں کو ٹھیک کرتا رہا۔ ساتویں سے اتنا مشغول ہوا کہ نہ کھانے کی فرصت رہی نہ پینے کا ہوش رہا۔ آخر دسویں کی رات کو اندھیرا کر کے اپنے سامنے جو ناقص دوائیں تھیں وہ نکال دیں۔ اور جو قابل تھیں وہ رہنے دیں۔ صبح کو اسلام کا علاج شروع ہو گیا حسینؑ نے کہا "بہن! یوں کرو۔ تم گھر میں بیٹھو، میں باہر بیٹھتا ہوں۔ میں باہر سے آواز دوں گا۔ اور تم مجھے وہ دوا بھیجتی رہنا" چنانچہ بہن خیمے کے اندر بیٹھ گئی اور بھائی خیمے سے باہر۔ تھوڑی دیر بعد حسینؑ نے آواز دی۔

"زینبؑ! مجھے اکبرؑ چاہیئے" زینبؑ نے سجا کر باہر بھیج دیا۔ تھوڑی بعد پھر آواز آئی۔

"بہن! مجھے قاسمؑ چاہیئے" زینبؑ نے سجا کے بھیج دیا۔ گویا یہ دوا کی شیشیاں تھیں جو حسینؑ استعمال کر رہا تھا۔ دوا اسلام کو پلا دیتا تھا اور خالی شیشی جا کے اٹھا لاتا تھا۔ حسینؑ نے جب بہتر دوائیں اسلام کو پلا دیں تو اسلام بالکل تندرست ہو گیا۔ اسلام تر و تازہ ہو گیا۔ حسینؑ گھر آئے۔

"بہن! مبارک۔"

"حسینؑ! خیر مبارک۔"

"بہن میری ساری دوائیں کام آ گئیں۔ اسلام بالکل ٹھیک ہو گیا" مگر مجھے یہ ڈر ہے کہ اسلام کو کل کوئی اور نہ مار دے لہٰذا میں اب اسلام کو ٹھنڈا

سا آبِ حیات نہ پلادوں تاکہ وہ کبھی مرنے نہ پائے!

زینبؑ نے کہا "حسینؑ! میرے پاس تو دو ہی زمرد تھے جو ختم ہو گئے"

قاسمؑ کی ماں تمہارے پاس!

"مولا! میرے پاس تو ایک ہی لعل تھا۔ ختم ہو گیا"

اکبرؑ کی ماں تمہارے پاس!

"حسینؑ! میرے پاس تو ایک ہی شب چراغ تھا۔ ختم ہو گیا"

چنانچہ جب کہیں سے آبِ حیات کی آواز نہ آئی تو کونے میں سے ایک آواز آئی ——— "حسینؑ! آبِ حیات کی ایک چھوٹی سی شیشی میرے پاس ہے۔

حسینؑ! تیرے اسلام کے کام آئے تو لے جاؤ"

چنانچہ حسینؑ آبِ حیات کی شیشی کے قریب پہنچے۔ گود میں لیا۔ دو قدم چلے سامنے ربابؑ آ گئیں۔

"حسینؑ! یہ بچہ مجھے واپس کرو"

ربابؑ اپنے بچہ کو لیکر خیمے میں آ گئیں۔ تھوڑی دیر بعد اصغرؑ کو گود میں اٹھائے سکینہؑ کی انگلی پکڑے رباب خیمے سے باہر نکلی اور عرض کی

"حسینؑ! کرسی پہ بیٹھو۔ زینبؑ! تم بھی سامنے کرسی پہ بیٹھو" جب دونوں بہن بھائی کرسیوں پہ بیٹھ گئے تو ربابؑ سامنے آ کھڑی ہو گئیں اور عرض کی۔

"فاطمہؑ کے بیٹے اور فاطمہؑ کی بیٹی! میں غیر خاندان کی ہوں۔ تمہارے خاندان نے مجھے یہ شرف بخشا اور خدا نے مجھے یہ تحفے دیئے۔ ایک سکینہؑ۔ ایک اصغرؑ۔

مجھے پتہ ہے کہ تھوڑی دیر میں بیوہ ہو جاؤں گی۔ اور تمہاری امانت کی حفاظت نہیں کر سکوں گی۔ لہٰذا میں ابھی تمہاری امانت تمہارے سپرد کرتی ہوں"

ربابؑ نے یہ کہہ کے سکینہؑ، زینبؑ کی گود میں بٹھا دی اور اصغرؑ حسینؑ کی گود میں اور التماس فرمایا۔

"بیٹی سکینہؑ! تو جانے اور زینبؑ جانے۔ بیٹا اصغرؑ! تو جانے اور حسینؑ جانے"

بس بھائیو!

زینبؑ نے سکینہؑ کو سینے سے لگالیا اور حسینؑ نے اصغرؑ کو ہاتھوں پہ اٹھالیا۔
مولا ابھی دروازے تک پہنچے ہی تھے کہ ربابؑ نے آواز دی۔ "حسینؑ! ذرا ٹھہرنا"
حسینؑ ٹھہرے۔ ربابؑ پہنچی۔ اصغرؑ کو ہاتھوں پہ اٹھایا اور اتنا فرمایا۔
"علی اصغرؑ بیٹا! تو حجتِ خدا کا پوتا ہے۔ تو فاطمہؑ کا پوتا ہے میں غیر خاندان کی ہوں۔ میرے لعل میدان میں جاکے میرے دودھ کو بدنام نہ کرنا؟
میرے لعل! میں دروازے میں کھڑی تمہارا جہاد دیکھوں گی۔
جاؤ میرے لعل! خدا حافظ"

ادھر ربابؑ علی اصغرؑ سے یہ کہہ رہی تھیں ادھر بچہ بول تو سکتا نہیں تھا، آنکھوں آنکھوں میں کہہ رہا تھا۔

"اماں! فکر نہ کر۔ ذرا مجھے میدان میں جانے دو۔ اگر دشمن سے نہ کہلوا دوں کہ میں حیدرِ کرار کا پوتا ہوں تو مجھے دودھ نہ بخشنا"

سامعین! حسینؑ، اصغرؑ کو ہاتھوں پہ اٹھائے ایک ٹیلے پہ کھڑے ہوگئے۔ اُدھر سے تیر چلا ادھر سے ربابؑ نے خیمے کے دروازے سے دیکھا اور سمجھ گئیں کہ اصغرؑ آرام سے لیٹا ہے گا تو تیر اصغرؑ کے اوپر سے گذر کر حسینؑ کو لگ جائیگا چنانچہ فوراً وہیں سے آواز دی۔
"اصغرؑ بیٹا! ہوشیار۔ حسینؑ کو تیر نہ لگنے پائے" فتعلب الصبیُّ علیٰ یدیہ،
اصغرؑ لیٹا تھا اٹھ کے بیٹھ گیا۔ تیر گلے پر لگا اور اصغرؑ تیر کھاتے ہی ماں کی طرف دیکھ کے مسکرایا گویا کہہ رہا تھا——— "اماں! اب تو خوش ہے نا؟
حسینؑ نے آبِ حیات چلو میں لیا۔ کچھ اسلام کے کام آیا۔ کچھ چہرے پہ مل لیا۔
اور خالی شیشی کو دفن کر دیا اور قیامت تک کے لئے اسلام کو زندہ کر دیا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ط

ننھی سی قبر کھود کے اصغرؑ کو گاڑ کے
شبیرؑ اٹھ کھڑے ہوئے دامن کو جھاڑ کے

سیدالساجدینؑ

دمشق کا تاجور ظلم و استبداد اور ملوکیت کے تخت پہ شراب کے نشے میں چور بیٹھا ہوا ہے ہزاروں لاکھوں ذمہ دارانِ مذہب اُسے جی حضور ! جی سرکار کہہ رہے ہیں۔ ہزاروں مقتدیانِ دین اپنی ریش سے وہاں جاروب کشی کر رہے ہیں۔ لاکھوں محدثین و مفسرین حکومت کی چوکھٹ کے پائے پکڑے ہوئے ہیں اور علیؑ ابن الحسینؑ ہاتھوں میں ہتھکڑی، پاؤں میں بیڑی اور گلے میں خاردار طوق پہنے سامنے کھڑا ہے۔ بچے دم بخود ہیں۔ محمدؐ کی بیٹیاں اور علیؑ کی بہوئیں عالم سکتہ میں ہیں کہ اچانک تخت یزیدیت پہ بیٹھنے والا ایک سفیر (حسینؑ کی چھوٹی بچی کی طرف اشارہ کرکے) یزید سے یہ کہتا ہے:۔

"یزید! جنگ میں قید ہو کر جو یہ لڑکیاں آئی ہیں ان میں سے اس بچی کو مجھے کنیزی میں دے دے!"

اُدھر شامی کی یہ بات سن کر یزید نے بچی کی طرف دیکھا اِدھر بچی نے "ہائے" کہہ کر بھائیؑ کی طرف دیکھا اور کہا۔

"بھائی جان! یہ کیا ہونے لگا؟"

امامؑ ابھی خاموش ہی تھے کہ علیؑ کی بیٹی آگے بڑھی اور فرمایا۔

"یزید! خبردار۔ ایسی بیہودہ بات نہ کر۔ ہم کنیز نہیں ہو سکتے"

یزید نے کہا۔ قیدی! مجھے اختیار ہے۔ میں بادشاہ ہوں۔ میں اگر اس بچی کو دے دوں تو تم کیا کرو گے؟" بس یزید کا یہ کہنا تھا کہ امامؑ آگے بڑھے اور فرمایا۔

"یزید! ہمیں جلال نہ دلوا۔ خبردار! میری پھوپھی کے سامنے سخت بات نہ کرنا"

اب جو یہ ردوقدح ہونے لگی تو شامی آگے بڑھا اور کہتا ہے

"قیدیو! تمہیں معمولی سی بات پر غصہ آگیا"

امام نے فرمایا، شامی! تجھے پتہ نہیں کہ ہم کون ہیں اور جس لڑکی کو تو کنیزی میں مانگ رہا ہے یہ کون ہے ؟،

شامی پوچھتا ہے، قیدی! تم ہی بتاؤ کہ تم کون ہو ؟،

امام نے فرمایا، شامی! جس بچی کو تو مانگ رہا ہے یہ فاطمہؑ کی پوتی ہے، جس وقت امام نے فرمایا کہ یہ" فاطمہؑ کی پوتی ہے" تو شامی گھبرا کر یزید سے پوچھنے لگا۔

"کیوں یزید! کیا واقعی فاطمہؑ کی پوتی ہے ؟"

یزید خاموش رہا۔ شامی دو قدم پیچھے ہٹا۔ اپنی کمر سے خنجر نکال کر اپنا ہاتھ کاٹا جس ہاتھ سے اشارہ کیا تھا۔ پھر کٹا ہوا ہاتھ اپنے دوسرے ہاتھ میں لیا اور کہا۔ "سیدہؑ کی پوتی! میں نے اس ہاتھ سے تیری طرف اشارہ کیا تھا لہٰذا میں نے اس ہاتھ کو کاٹ دیا۔

شہزادی! آپ کو اپنے جد کی قسم مجھے معاف کر دیجئے۔ مجھے پتہ نہ تھا کہ تم کون ہو ؟"

یہ سنکر یزید کی زبان سے بے ساختہ نکل گیا "اَللّٰہُ یَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ" اور امام قبلہ کی طرف منہ کر کے سجدہ میں گر گیا۔

"سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی۔ یا اللہ! تیرا شکر ہے کہ محمد کے گھرانے کی عزت بچی ؟"

شہر دمشق میں زلزلہ آیا اور شامی خود راوی ہے کہ ہم نے ایک آواز سنی کہ کوئی کہہ رہا تھا "ارفع رَاسَكَ اَنْتَ سیدالساجدین"

بس اپنا سر اٹھالے اس عالم میں سجدہ کرنے والے! تو سارے سجدوں سے بڑھ گیا۔

نجات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خداوند عز اسمہٗ و جل جلالہٗ کی حمد و ثنا کے بعد حضرت محمدؐ و آلِ محمدؐ پر درود و سلام

حضراتِ محترم!

مجھ سے پہلے میرے ایک عزیز دوست لفظ "نجات" پر واعظ فرما رہے تھے لہٰذا میں بھی چاہتا ہوں کہ نجات ہی کے موضوع پر تھوڑی سی گفتگو ہو جائے۔

سامعینِ کرام! ——— یہ جتنی چیزیں ہیں نا۔ نماز۔ روزہ وغیرہ ان چیزوں کا بدل خدا کی طرف سے ہے جو تیرے جسم کی پرورش کے لیے خدا نے عطا فرمائی ہیں چونکہ تو نے اللہ کی ہزاروں من روٹی کھائی، ہزاروں من پانی پی لیا۔ بے انتہا اللہ کی ہوا تو نے استعمال کی لہٰذا تو نماز پڑھ۔ روزہ رکھ۔ کیونکہ نماز روزہ کا بدلہ تجھے یہیں ملتا جا رہا ہے۔ رہ گئی نجات! اس کا تعلق اس چیز سے ہے جو تیری رُوح کے ساتھ وابستہ ہے اور رُوح کے ساتھ بس ایک شے وابستہ رہتی ہے جسے کہتے ہیں محبت گویا نجات صرف محبت میں ہے۔ اب اگر محبت سمٹ کر ایک مرکز پر اکٹھی ہو جائے تو وہ عشق کہلاتا ہے۔ عشق ہے دنیا میں دو قسم کا اگر عشق میں کوئی "مادی غرض" شامل ہے تو وہ "ہوس" کہلاتی ہے اور اگر صرف زندگی کے تصور سے عشق ہو گیا ہے تو ایسے عشق کو دنیا میں "ولائت" کہتے ہیں جو مادی اغراض سے مبرا ہوتا ہے اور یہی "تولا" ہے جو ولائت کہلاتی ہے۔ یہی شے ہے جو عاقبت میں نجات دینے والی ہے۔

سامعین!

یاد رکھو! نجات کا جو تعلق ہے وہ نہ عشق میں ہے، نہ محبت میں ہے۔ نہ نماز روزے میں ہے۔ گویا ادائے فرض میں بات ہے۔ مگر نجات کا تعلق صرف ولائت

سے ہے اسی لئے ہم نماز میں "پہلوئے نجات" پیدا کرنے کے لئے اذان میں "ولی اللہ" بھی کہہ لیتے ہیں۔ اپنے کلمے کو ذریعۂ نجات بنانے کے لئے اقرارِ ولایت بھی کرلیتے ہیں۔ بہرنوع۔ اگر کسی شے سے نجات ہے تو وہ ولایت ہے۔

صاحبانِ! ——— ولایت زبان ندارد۔ لباس ندارد۔ مکان ندارد۔ پوزیشن ندارد گویا جو صاحب ولایت ہو جائے اس کے لئے کسی خاص زبان کی ضرورت نہیں۔ وہ اردو بھی اتنا ہی سمجھتا ہے جتنا پنجابی۔ اسے پنجابی میں بھی وہی لطف آتا ہے جو انگریزی میں۔ صرف ضابطے کو پورا کرنے کے لئے، قانون کو نبھانے کے لئے نماز میں آپ کو سرکاری زبان عربی استعمال کرنی پڑے گی مگر قانون ولایت کو پورا کرنے کے لئے جو زبان آتی ہو گی ٹھیک ہے۔ پنجابی بولو گے تب وہی لطف ہے اُردو بولو گے تب وہی سواد ہے۔ نظم میں بولو گے تب وہی لطف ہے۔ نثر میں بولو گے تب وہی لطف ہے۔ گویا دیوانگانِ ولایت زبان کے پابند نہیں ہوتے۔ جس انداز میں ولایت نظر آجائے بس وہ ولایت ہے۔ کیونکہ ولایت کی معرفت کو دنیا جانتی ہی نہیں۔ جہاں سر مستگانِ ولایت کو دیکھا اور یہ قانون کی جکڑبندیوں میں جکڑی ہوئی دنیا اور قانون کو ناقص طور پر سمجھ کے قانون سمجھنے والی دنیا ہم دیوانگانِ ولایت کے خلاف فتوے بازی شروع کر رہی ہے۔ انہیں اندازہ ہی نہیں کہ ولایت کی سرمستی کیا ہے۔ انہیں پتہ ہی نہیں چلتا کہ سرمستانِ ولایت کے دل میں جو ولی ہے اسکے ساتھ ان کا تعلق کیا ہے۔

دیکھو نا! آپ کو ایک واقعہ سناتا ہوں۔ اگر یہاں سمجھ نہ آئے تو گھر جا کر نتیجہ نکال لینا۔

کوفہ میں ایک شخص رہتا تھا جس کا میثمؓ نام تھا۔ غریب آدمی۔ شام کو ایک ٹوکری لے کر کوفے کے باغ میں جاتا اور ناقص کھجوریں سستے داموں بازار میں لاکر بیچ کر جو دو چار پیسے ملتے اس کی روٹی کھالیتا۔ یہی گویا اس کی دنیاوی وجاہت تھی۔ اتفاق سے اس غریب آدمی کے دل میں شمعِ ولایت روشن ہو گئی اور اس وقت

ف کی اسلامی ایمپائر کا با اختیار شہنشاہ مسند حکومت پر جلوہ گر تھا جس کے قبضۂ قدرت
اس وقت کے تمام مسلمانوں کی عزت و آبرو اور جان تھی ۔ دنیا کی حکومتیں جس کے نام
دہلتی تھیں ۔ جس کا تصورِ عالم کی سلطنتوں کو لرزہ براندام رکھتا تھا ۔ بہادرانِ عالم جس کا نام
بہادروں پر گھوڑے بہادری کی سند بنایا کرتے تھے اور جس کے نام کی ہیبت سے سوئے
ہوئے رستموں کے بدن قبر سے اُچھل کر باہر آ پڑتے تھے ۔ کائنات میں جس کے حرب و ضرب
کا سکہ بیٹھا ہوا تھا ۔ اور حد یہ ہے کہ جس کے نام کو سن کر جوشِ عقیدت میں گویا جبرئیل کے پر
ہونے پر مجبور ہو جاتے تھے ۔ اتنا عظیم انسان کوفے کی سلطنت کے تخت حکومت پر
بیٹھا ہوا ہے ۔

کہاں بلندیٔ تختِ حکومت اور کہاں پستی ' خرما فروشی ۔ مگر یہ ولایت وہ شے
ہے کہ پست و بلند کے امتیاز کو مٹا دیتی ہے ...... بہر نوع ۔ اس چھابڑی فروش کو
شہنشاہ سے ولایت ہو گی ۔

ہو سکتا ہے کہ شہنشاہ سے ولایت ہونے کے بعد شہنشاہ اس خرما فروش کو منہ
نہ لگائے ۔ چاند سے پیت لگائے بنجی بالوریا ۔ بھلا بتایئے اس غریب کی رسائی کہاں ؟
دنیا نے یہ منظر دیکھا کہ شہنشاہ اپنے مسندِ عدالت پر فیصلے کرنے کے بعد وہاں
سے اٹھ کر چلا ۔ دوپہر کا وقت ہے ۔ خراماں خراماں چلا جا رہا ہے ۔ لوگوں نے خیال کیا کہ
اعلیٰ حضرت نہ جانے کدھر تشریف لے جا رہے ہیں ۔ خلقِ شبحانی کی سواری کہاں جا
رہی ہے ۔ دیکھا کہ قدسی شمعِ امامت ہاتھ میں لئے ہوئے ۔ فقر قدرت پہ دستخط کرتے
ہوئے ساتھ ساتھ ہیں ۔ فرشتگانِ قدرت با ادب با ملاحظہ ہوشیار کہہ رہے ہیں اور
یہاں سے جلوس موقباخ جلالِ شہنشاہِ عالم کا روانہ ہوا ______ اور توجہ
مرکز کیا ہے ۔ وہی چھابڑی والا وہاں پہنچے ۔ فرمایا
" میثم بھائی ! اسلام علیکم "
دنیا حیران تھی کہ یہ کیا ہو رہا ہے ۔ میثم سے سلام علیکم کیسی ؟
اب لوگ حیران کھڑے دیکھ رہے ہیں کہ میثم سے سلام کرنے کے بعد اعلیٰ حضرت

فرماتے ہیں۔ میثم بھائی! میں آگیا۔ اب تم گھر جاؤ۔ چنانچہ میثم نے اپنی کھجوریں سمیٹ لیں اور خود روٹی کھانے گھر چلا گیا۔

میثم گھر چلا گیا اور شہنشاہ اعظم وہاں بیٹھا اس کی کھجوریں بیچ رہا ہے۔ تھوڑی دیر بعد میثم واپس آتا۔ پوچھا۔ میاں کتنی بیچیں۔ پیسوں کا حساب دو۔ شہنشاہ عالم اسے کھجوروں کا حساب دے رہا ہے اور میثم اس سے جھگڑا کر رہا ہے۔ "واہ تو نے آدھ پاؤ کھجور زیادہ کیوں دے دیں؟" اور وہ کہہ رہا ہے۔ "بھئی غلطی ہو گئی" اور دنیا یہ تماشا دیکھ رہی ہے۔

حضور والا!

یہ تھا قانونِ ولایت۔ اب آج وہی میثم، حضرت میثمؓ تمار ہے۔ دنیا کے اعلیحضرتوں کے نام مٹ گئے مگر اس چھابڑی فروش کا نام ذہنوں سے نہیں مٹ سکتا۔ اور اسے سکھا کیا دیا شہنشاہِ ولایت نے۔ کہ

"سُن میثم! تو بھی کیا یاد کرے گا۔ لے تجھے ایک بات بتاتا ہوں"

چنانچہ اسے علم البلایا والمنایا سکھا دیا۔ اس علم کے معنی یہ ہیں کہ ہر شخص کو دیکھ کر وہ یہ سمجھ جاتا تھا کہ اس شخص کی موت کب۔ کہاں اور کس طرح واقع ہو گی بتاؤ! یہ کتنا بڑا علم ہے کہ ہر انسان کو دیکھ کر وہ یہ بتا دیتا تھا کہ اس شخص کی موت کب، کہاں اور کس طرح واقع ہو گی۔؟

سامعین!

بات سے بات نکلتی ہے۔ اب میں کس سے جا کے پوچھوں کہ قرآن تو یہ کہتا ہے کہ موت کب آئے گی۔ کہاں آئے گی اور کس طرح آئے گی۔ اس کا علم صرف خدا کو ہے۔ یہ تو ہے قانون کی بات۔ اور یہ ہے ولایت کی بات کہ میثم کو بھی ان باتوں کا علم ہے۔ جب کہ اس کا علم صرف خدا کو ہے۔

اب ہے کوئی دنیا کا ذی عقل آدمی! جو ان چیزوں کو ملا کر مجھے سمجھائے کہ کیسے پوری ہوتی رہیں۔ جس چیز کو قرآن کہتا ہے کہ صرف خدا کو علم ہے ادھر میثم کہتا ہے

ر مجھے اس کا علم ہے ــــــ کیا میثم نے قانون توڑ دیا۔ کیا اس نے قانون ختم کر دیا۔؟ ہر گز نہیں۔

میثمؓ جواب دیتا ہے ،، اگر میری ولایت کا سرچشمہ خدا تک جا ملے تو جو چیز خدا کیلئے علم خاص تھا وہ میثم تک پہنچ سکتا ہے،، گویا یہ ہے مرتبۂ ولایت جو میثم تمارؓ کو حاصل ہوگیا۔ اب اگر آج کا دعویدار ولایت یہ کہے ،، مجھے بھی ولایت ہے ،، تو وہ ذرا میثمؓ کے سامنے تو آکر دیکھے کہ ولایت ہے یا نہیں،

میرے محترم بھائیو!

ایک دن میثم تمارؓ کوفے کے بازار میں گھوم رہے تھے۔ سامنے سے حبیب ابن مظاہر آگئے۔ دونوں آمنے سامنے ہو گئے۔ میثمؓ کے دل میں خیال تھا کہ یہ علم البلایا والمنایا مجھے آتا ہے۔ مولا نے صرف مجھے بتایا ہے۔ چنانچہ وہ حبیب کو دیکھ کر کہنے لگا۔

،، حبیبؓ! مجھے نظر آرہا ہے کہ ایسا خوبرو جوان جس کی داڑھی فلاں تاریخ کو فلاں وقت اس کے خون سے رنگین ہو گی اور وہ شہید ہو گا،،

میثمؓ یہ کہکر مسکرائے کہ گویا حبیبؓ پہ رُعب ہو گا کہ مجھے یہ بات آتی ہے اور میں نے مار دی۔ اِدھر میثم کی بات سنکر حبیبؓ نے پلٹ کے کہا۔

،، میثمؓ! مجھے بھی نظر آرہا ہے کہ ایسا بوڑھا جو بجرم ولایت امیر المومنینؑ فلاں درخت پر پھانسی دیا جائے گا،،

میثمؓ حیران ہو کر پوچھتا ہے ،، حبیبؓ! تجھے کس نے بتایا؟،،

حبیبؓ مسکرا کے پوچھتا ہے ،، میثمؓ! پہلے تم بتا دو۔ تمہیں کس نے بتایا ہے؟،،

میثمؓ نے کہا۔ مجھے امیر المومنینؑ نے بتایا ہے،

اِدھر حبیبؓ مسکرا کے کہتا ہے ،، میثمؓ! تیرے پاس باپ کی دی ہوئی بات ہے۔ میرے پاس بیٹے کی دی ہوئی بات ہے۔ تو باپ کی ولایت میں سرشار ہے۔ میں بیٹے کی ولایت میں سرشار ہوں۔ تجھے علیؑ نے بتا دیا مجھے حسینؑ نے بتا دیا،،

اب میثمؓ پوچھتا ہے ،، حبیبؓ! تو نے کب پوچھا تھا؟،،

حبیبؒ پوچھتا ہے "تونے کب پڑھا تھا؟"

مثیمؒ نے کہا "امیرالمومنینؑ جب کوفے میں بادشاہ تھے۔ میں نے چار
کرکے جب سیکھا تھا"۔

حبیبؒ نے کہا "میں جب اپنے آقاؑ کے سلام کے لئے مدینہ گیا تھا
رات خدمت میں رہ کے سب سیکھا تھا۔

اب مثیم گھبرا کے کہتا ہے "حبیبؒ! کیا ایک رات میں اتنا علم"؟

حبیبؒ نے جواب دیا "ہاں۔ ہاں۔ جو میرا استاد ہے نا۔ اس کے شش
پر پانچویں مہر ہے۔ اس کے ولی بنانے کے انداز اور ہیں۔ وہاں وقفہ لگ
یہاں وقفہ نہیں لگتا۔ انہوں نے زندگی میں ایک دو ولی بنائے۔ مگر ——
حسینؑ جس دن ولی بنانے بیٹھ گیا تو چراغ گل کرکے پانچ منٹ میں بہتر۷۲ ولی بن
گا۔ اتنے ولی نہ اس سے پہلے کبھی کسی نے بنائے اور نہ اس سے بعد کوئی بنا

محترم بزرگو!

یاد رکھو! آدمؑ سے لیکر حسینؑ تک کی تاریخ پڑھو اور حسینؑ سے لیکر
کی تاریخ کے اوراق پلٹ ڈالو اور تم دیکھو گے کہ آدمؑ سے حسینؑ تک اور حسینؑ
آج تک کسی اللہ والے کو بہتر ساتھی نصیب نہیں ہوئے۔ یہ سب سے بڑی
تھی اللہ والوں کی جو حسینؑ کو ملی۔ تم کیوں کہتے ہو حسینؑ کو ہشاہ کم سپاہ "کیا
کی فوج تھوڑی تھی۔ کیا وہ بیکس تھا؟

میرے بھائیو! ایسے الفاظ نہ کہا کرو۔ اتنی فوج تو کسی کو نصیب
نہیں ہوئی۔ اتنے مددگار تو کسی کو نصیب ہی نہیں ہوئے۔ اتنے معاون تو کس
ملے ہی نہیں جتنے حسینؑ کے ساتھ تھے۔

آدمؑ کے پاس دو بیٹے تھے (ہابیل و قابیل)۔ دو میں سے ایک نی
نوحؑ کی کشتی میں ستاسی۸۷ سے زیادہ آدمی نہ آسکے۔

ابراہیمؑ (اوّل مسلم) کی خدمت میں سولہ۱۶ سے زیادہ آدمی نہ آسکے۔

طور پہ چالیس آدمی رہ گئے۔ سب فیل ہو گئے اور عیسٰیؑ کے ساتھ بارہ حواری تھے مگر جب عیسٰیؑ کو سولی دی گئی بارہ کے بارہ منکر ہو گئے اور محمدؐ کے پاس ہزاروں آدمی تھے مگر احد و بدر میں ہم نے آزما کے دیکھ لیا۔ اور علیؑ کے پاس صفین میں ایک لاکھ فوج تھی۔ جب حاکمین کی نوبت آئی تو پھر سات آدمی رہ گئے تھے اور حسنؑ مجتبٰے کے ساتھ صرف ایک ہارون کی رہ گیا تھا جب آپ صلح فرما رہے تھے۔ اور یہ صرف حسینؑ کا اقبال تھا اس کے ساتھ پورے بہتر انسان تھے۔ ایسے آدمی کو بیکس کہنا اس کی توہین ہے۔ بتاؤ! جس کے پاس بہتر جانثار ہوں کیا وہ بے کس ہے! ۔ ہرگز نہیں

حضور والا!

یاد رکھو!

جب ہدایت کا زمانہ ہو پردے پڑ جاتے ہیں (پتہ نہیں چلتا کہ اپنا کون ہے اور غیر کون ہے) اور ..... جب ولایت میدان میں آجاتی ہے تو پردے اٹھ جاتے ہیں۔ (پتہ چل جاتا ہے کہ یہ کون ہے اور وہ کون ہے) گویا ولایت رفع حجاب ہے۔

سامعین! دنیا میں سب سے پہلی دفعہ میدان کربلا میں ولایت بے نقاب ہو کے کھڑی ہوئی ہے۔ اس سے پہلے بھی پردوں میں رہی اس کے بعد بھی پردوں میں رہی۔ اور ولایت نے اس دنیا کو بتا دیا کہ ادھر کون ہے اور ادھر کون ہے ورنہ خدا شاہد ہے۔ پردے پڑے ہوئے تھے۔ اور پتہ نہیں چلتا تھا کہ اپنا کون ہے اور غیر کون ہے پس حسینؑ نے بہتر چن کے دکھا دیئے۔

اب بتاؤ۔! اگر بہتر آدمی کہیں اکٹھے ہو جائیں تو یہ فوج کہلاتے ہیں! ہرگز نہیں

اب اگر بہتر آدمی کسی حکومت کے باغی ہو جائیں تو ان کی گرفتاری کے لئے فوج بلائی جاتی ہے! ۔ ادھر حسینؑ کا اندازہ کیا ہے کہ وہ ان بہتر کی بھی چھانٹی کرنا چاہتا ہے

نہم محرم کی شام کو حسینؑ کے کیمپ میں بہتر آدمی ہیں۔ حسینؑ کہتے ہیں کہ یہ بہتر بھی بہت ہیں کچھ چھنٹ جائیں تو اچھا ہے کیونکہ جوں جوں جوہر چھنٹتا جائیگا توں توں طاقت بڑھتی جائے گی۔

حضور والا ـــــــــ! دنیا نے یہ منظر دیکھا کہ شب عاشور، رات کے بارہ بجے کا وقت چاند دھندلا یا ہوا اور حسینؑ اکہتر جانثاروں کے ساتھ ایک خیمہ میں تشریف فرما ہیں۔ اور ابو ترابؑ کا بیٹا زمین پہ مسند لگا کے بیٹھ گیا۔ گویا آج دنیا کا بے مثل فیلڈ مارشل اپنی فوج کو ایک انوکھی بات کہہ رہا ہے جو آج تک کسی نے کہی نہ تھی۔ امامؑ فرماتے ہیں۔

"عباسؑ بھائی! دیکھو سب آگئے کوئی رہ تو نہیں گیا؟"

قمر بنی ہاشمؑ اُٹھے۔ گن کے بتایا "مولا! پورے اکہترؓ آدمی ہیں"

امامؑ نے فرمایا "نہیں بہتر ہونے چاہئیں"

عباسؑ نے پھر گنا۔ عرض کی "قبلہ! اکہترؓ ہیں" امامؑ نے فرمایا "بہترؓ ہونے چاہئیں" اب جو امامؑ نے یہ فرمایا تو خیمے کی پشت کا پردہ اُٹھا اور اماں فضہؓ برآمد ہوئیں۔ سفید رومال میں لپٹی ہوئی ایک شے سامنے رکھی۔ مولاؑ نے پوچھا:۔

"اماں فضہؓ! کیا لائی ہو؟" فضہؓ نے عرض کی "حسینؑ! یہ تیرا بہترواں سپاہی ہے۔ اب گن کے دیکھو۔ بہترؓ ہوئے ہیں یا نہیں؟" امامؑ نے فرمایا "ہاں۔ اب بہترؓ ہوگئے"

اب حسینؑ اپنے سپاہیوں سے فرماتے ہیں "میرے دوستو! میرے عزیزو! میری جان سے پیارے رفیقو! میرے بیٹو! بھتیجو! بھانجو!" پھر امامؑ نے نام لے لے کے پکارا "بھائی حبیبؓ! بھائی زہیرؓ!" اور جو بزرگ تھے جیسے مسلم بن عوسجہؓ وغیرہ انہیں امامؑ نے "چچا" کہہ کے خطاب کیا "میرے باپ اور نانا کے صحابیو! دیکھو زمانے کا حال کیا ہے۔ یہ فوج جو مجھے گھیرے ہوئے ہے اسے صرف میری ذات سے واسطہ ہے۔ تم سے کوئی عداوت نہیں۔ اس وقت رات کا وقت ہے میں تمہیں خوشی سے کہہ رہا ہوں کہ تم میں سے جو جانا چاہے جا سکتا ہے"

جب تین چار دفعہ مولاؑ نے یہ فرمایا کہ جو جانا چاہے جا سکتا ہے تو بہترؓ سپاہی عالم سکتہ میں بت بنے بیٹھے ہیں۔ آخر مولاؑ نے فرمایا:۔

"دیکھو! شاید تمہیں جاتے ہوئے یہ خیال آتا ہے کہ وہ ثواب جو تمہیں

یہاں شہید ہونے میں ملے گا ۔ اس ثواب سے محروم رہ جاؤ گے لہٰذا میں حجت خدا، امام زمانہ ولی مطلق ، میں حسینؑ تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر اس وقت تم چلے جاؤ تو جو شہادت کا ثواب ہے وہ تمہیں ضرور دلاؤں گا ۔ چنانچہ اب ثواب کا لالچ بھی ختم ہوگیا ۔ اب مولاؑ نے فرمایا ۔

" تمہیں غیرت محسوس ہوتی ہے کہ لوگ تمہیں طعنے دیں گے کہ اپنے سردار کو چھوڑ کر آگئے لہٰذا اس غیرت کا علاج یہ ہے کہ میرے ساتھ تمہارے نبیؐ کی بیٹیاں آئی ہوئی ہیں تم انہیں ساتھ لے جاؤ اور انہیں نانا کی قبر پہ بٹھا دینا ۔ پھر جہاں جس کا جی چاہے چلے جانا ۔ اگر کوئی طعنہ دے تو کہہ دینا کہ " زینبؑ کا پردہ بچانے چلے آئے تھے ۔ نبیؐ کی بیٹیوں کو نرغے سے نکال کے لے آئے تھے ۔ لوگ خاموش ہو جائیں گے "

لوگ پھر بھی خاموش رہے ۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا ۔

" دیکھو ! میں تمہارے سامنے بیٹھا ہوں ۔ آنکھ میں شرم ہے ۔ اس شرم کی وجہ سے تم نہیں جاتے ۔ اکبرؑ بیٹا ! ذرا چراغ گل کر دو "

چنانچہ چراغ گل کر دیا گیا ۔ پھر امامؑ نے فرمایا ۔

" اب اندھیرا ہے ۔ میں تمہیں نہیں دیکھ سکتا ۔ تم جا سکتے ہو "

سامعین !

اندھیرے میں آوازیں تو آرہی ہیں ۔ مگر پتہ نہیں چل رہا کہ کیا ہو رہا ہے ۔ جب دس منٹ گذرے آپؑ نے حکم دیا ، " چراغ دوبارہ روشن کیا جائے " ۔ اب جو چراغ دوبارہ روشن ہوا تو امامؑ نے دیکھا کہ اتنے میں یہ فرق آگیا تھا کہ جوانوں نے اپنی تلواروں کے نیام گھٹنے لگا کے توڑ دیئے اور بڈھوں نے اپنی پگڑیاں اتار کر اپنی کمر پہ باندھ لیں کہ جھکی ہوئی کمر ذرا سیدھی ہو جائے ۔ اور جو بچے ہیں وہ ایڑی اٹھا کے کھڑے ہو گئے کہ جوان نظر آنے لگیں ۔ اور چھ مہینے والا سپاہی بول تو سکتا نہیں تھا ۔ آنکھوں آنکھوں میں کہہ رہا تھا مولاؑ ! فکر نہ کریں میں بھی شیر خدا کا پوتا ہوں ۔ کل وہ جہاد کروں گا کہ دنیا یاد رکھے گی "

اب جو امامؑ نے یہ منظر دیکھا تو سینہ فخر سے تن گیا اور بے ساختہ منہ سے نکل گیا

"خداوندا۔ تو گواہ ہے کہ اتنے اچھے جانثار تو میرے نانا محمدؐ کو نہ ملے۔ اتنے اچھے ساتھی تو میرے باپ علیؑ کو نہ ملے۔ اتنے اچھے رفیق تو آدمؑ سے لیکر آج تک کسی کو نصیب نہیں ہوئے۔"

اب جو مولا نے فرمایا تو جانثاروں کا پیمانۂ صبر بھی لبریز ہو گیا۔ سب سے پہلے مسلم عوسجہؓ اٹھے، بڈھا آدمی۔ رسولؐ کو دیکھ چکے تھے۔ علیؑ کے ساتھ رہ چکے تھے۔ تلوار ٹیک کر کھڑے ہوئے۔ بدن میں تھوڑا سا لرزہ بھی تھا۔ کہنے لگے

"حسینؑ! میں نے تیرے نانا کو دیکھا ہے میں تیرے باپ کے ساتھ رہا ہوں تیرے منہ سے یہی سمجھتا ہے جو تو کہہ رہا ہے۔ تیری یہی شان ہے جو تو کہہ رہا ہے حسینؑ! یہ سچ ہے کہ تجھے ہماری ضرورت بالکل نہیں۔ مگر ہمیں تیری ضرورت ہے۔ تو ہمارا محتاج نہیں حسینؑ! ہم تیرے محتاج ہیں۔ حسینؑ! اگر تو ٹھوکریں مار مار کے بھی اس میدان سے نکال دے پھر ہمیں پلٹ کے آئیں گے کیونکہ ہم تیرے بغیر نہیں رہ سکتے"

بڈھا آدمی۔ جوش میں فقرے کہے۔ بدن میں لرزا پیدا ہوا وہیں گر گیا گرتے ہی حضرت بریرؓ ہمدانی کھڑے ہو گئے۔ یہ بڑے فصیح البیان انسان تھے۔ انہوں نے کھڑے ہو کے فرمایا:

"حسینؑ! ہمیں جانے کو کہتے ہو۔ ہم چلے جاتے ہیں مگر اپنے گھر سے اچھا گھر بتاؤ جہاں ہم چلے جائیں۔ اپنے دربار سے اچھا دربار بتاؤ جہاں ہم جا کے بیٹھ جائیں۔" یہ فقرے کہہ کے وہ بھی بے ہوش ہو کر گر گئے۔

اس کے بعد حسینؑ کے بچپن کا دوست حبیبؓ اٹھا۔ حبیبؓ نے اسی طرح بات کی ہے۔ جس طرح بچپن کا دوست بات کرتا ہے۔

"حسینؑ! میں تیرے ساتھ بچپن میں کھیلا ہوں۔ میں تجھے چھوڑ کے چلا جاؤں مگر ایک بات بتا دے کہ قیامت کے دن اگر تیری اماں نے پوچھ لیا: حبیبؓ! میرے حسینؑ کو کہاں چھوڑ آیا تو کیا جواب دوں گا؟"

یہ کہہ کے حبیبؓ بھی بیٹھ گئے۔ اسی طرح حبیب تمام اصحاب باتیں کر کے بیٹھ گئے تو اب عزیزوں کی باری آئی۔ عزیزوں کی نمائندگی حضور قمر بنی ہاشم جناب عباسؑ غازی نے فرمائی

صاحبانِ ذوق! ذرا توجہ سے سننا عباسؑ کی تقریر۔

پورا بدن لرز رہا ہے، تلوار کا قبضہ ہاتھ میں ہے۔ ایک مرتبہ فرمایا "مولا"! خاموش ہو گئے۔ دوسری مرتبہ اور بلند آواز سے کہا "یا ابن رسول اللہ" پھر خاموش ہو گئے۔ پھر تیسری مرتبہ کہا "میرے سردار" پھر خاموش ہو گئے۔ اور خاموش ہو کے ایک دم نجف کی طرف مڑ گئے اور بجائے حسینؑ سے کچھ کہتے، گھبرا کر فرمایا "یا علیؑ مدد! بابا۔ حسینؑ جانے کو کہہ رہے ہیں کیا جواب دوں؟"

امامؑ کو عباسؑ کی اس ادا پہ پیار آ گیا۔ اٹھ کے ایک ایک سے گلے ملے۔ ایک ایک کی پیشانی چومی۔

"میں تمہارا بڑا احسان مند ہوں۔ میں تمہارا بڑا شکر گذار ہوں۔ جاؤ کل کے مرنے کی تیاری کرو"

اور امامؑ نے اپنے جانثاروں کو سلام کیا وہی سلام جو آج تک زیارتِ گنج شہداء میں پڑھا جاتا ہے "اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَوْلِیَاءَ اللّٰہ" اے اولیاءاللہ تم پر سلام ہو۔ گویا دس منٹ کے اندر حسینؑ نے بہتّر کو اولیاءاللہ بنا دیا۔ یہ ہے ولایت کی معرفت۔

سامعین!

یوم عاشور بہتّر کے علاوہ شہید ہونے والوں میں حرؑ بھی ہے اگر یہ رات والے اولیاء اللہ بن گئے تو حرؑ تو ولی بننے سے رہ گیا ہوگا۔ لہٰذا حسینؑ نے اسے ولی بنانے کے لیے الگ دفن کرا دیا کہ سب کے ساتھ دفن ہوتا تو اولیاءاللہ پر زیارت پڑھی جائے گی تو لوگوں کو یہ شبہ ہوگا کہ وہ تھے اولیاءاللہ جو رات کو تھے۔ صبح والا نہیں تھا۔ لہٰذا حرؑ کو الگ دفن کرا کے یہی حکم ہوا کہ وہاں اولیاءاللہ مجھ کو کہا کرو۔

یہاں حمزہؓ کی قبر پر کھڑے ہو کر کہا کرو "اسلام وعلیک یا ولی اللہ" اے حمزہؓ! تو بھی ولی اللہ ہے۔ یوں ولایت اس گھر سے تقسیم ہوتی ہے۔

میرے بھائیو! مصیبت و پریشانی کے اس عالم میں جب یقین ہو جائے کہ کل جنگ واقعتاً ہوگی اپنی فوج سے فیلڈ مارشل کا یہ کہنا کہ تم چلے جاؤ یہ وہ بات ہے جس پر عقل حیران ہوتی ہے۔ حالانکہ ایسے عالم میں تو سربراہ فوج اپنی فوج کو قابو میں رکھتا ہے مگر حسینؑ ہے کہ اپنے ساتھیوں سے کہہ رہا ہے کہ تم میں سے جو جانا چاہے جا سکتا ہے۔ گویا حسینؑ نے دنیا کو یہ دکھا دیا کہ یہ ولایت کی شان ہے کہ اگر بھوک پیاس سے تنگ آ کر کوئی سپاہی مجھے چھوڑ کر چلا جائے یہ حق ہے یا کوئی دنیاوی عیش و آرام چھوڑ کر بھوک پیاس کی طرف آ جائے یہ حق ہے۔ یہ ہے شانِ ولایت۔

بہر نوع۔ تھوڑی دیر بعد حسینؑ نے دربار برخاست کر دیا اور بیت الشرف میں تشریف لائے۔ پردہ اٹھا کر خیمے میں قدم رکھا ہی ہے کہ دیکھا سامنے بہن کھڑی ہے۔ —— "زینبؑ! تم یہاں کیسے؟" زینبؑ نے فرمایا

"حسینؑ! میں قنات کے پیچھے تیرے ساتھیوں کی گفتگو سنتی رہی میں وعدہ کرتی ہوں حسینؑ! ہر ایک شہید کی قبر پر کھڑی ہو کر سفید بال کھول کر ان کا ماتم کروں گی۔ مگر...... اتنا بتا کہ ان میں سے کوئی چلا تو نہیں جائے گا؟"

بس بھائیو! زینبؑ کا یہ پوچھنا تھا کہ پردے کے بالکل پیچھے دار کے طور پر حضرت بریر ہمدانی کھڑے تھے۔ انہوں نے سن لیا۔ رات کا وقت ایکدم گھبرا کے پکارا —— "حبیبؓ! زبیرؓ! جلدی آؤ"

اب جو انہوں نے آواز دی تو سب دوڑتے ہوئے آ گئے۔

زبیرؓ نے پوچھا۔ "بریرؓ! خیریت تو ہے؟"

بریرؓ نے کہا "زبیرؓ! خیریت بالکل نہیں۔ ابھی زینبؑ کو ہماری وفا کا یقین نہیں آیا۔ خیمے میں بعد میں جانا پہلے زینبؑ کو یقین دلا کے جاؤ۔ چنانچہ سب

تلواریں نیاموں سے نکلیں اور خیمے کے صحن میں آکے گریں اور گڑگڑا کر جانثاروں نے عرض کی۔

"علیؑ کی بیٹی! اپنے ہاتھ سے ان سروں کو کاٹ دے۔ ہم تیری چوکھٹ سے ہلنے والے نہیں"

اور اتنا اعتماد تھا زینبؑ کو اصحاب کی دفا پر کہ عاشور کی شام کو جب خیمے جلنے لگے تو زینبؑ نے حسینؑ کو نہیں پکارا۔ عباسؑ کو نہیں پکارا بلکہ وہاں بھی کھڑے ہو کر زینبؑ نے یہی آواز دی:-

"بھائی حبیبؑ! آؤ نا۔ دیکھو ہم پہ کیا گذری ہے"

سامعین! یوں ولایت اس گھر سے تقسیم ہوئی۔ یوں بہتر ولی بنے ایک وقت میں اتنے اولیاء کا اجتماع ایک جگہ نہ تاریخ عالم میں اس سے پہلے ہوا اور نہ اس کے بعد اور ان اولیاء کی ایک جگہ قبریں بن گئیں۔ اگر ایک ولی کی قبر اجمیر۔ پاکپتن۔ اور تونسہ کو شریف بنا سکتی ہے تو جہاں بہتر اولیاءؑ کا جھرمٹ اکٹھا ہو جائے اس کی شرافت کے لئے لغت عالم میں "ہیں" سوائے معلیٰ کے اور کوئی لفظ ہی نہیں ملتا۔

بزرگان من! حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن ہر زمین شق ہو جائے گی اور ہر قبر سے مُردہ اٹھ کے آئے گا۔ مگر ـــــ کربلا کی زمین یونہی رہے گی اور یہاں کی قبروں میں سونے والوں کو آرام سے اٹھا لیا جائیگا۔ اسکے علمی دلائل علماء کرام کے پاس موجود ہیں مگر مجھ دیوانے نے یہی سمجھا ہے کہ اللہ کو پتہ ہے کہ یہ بڑے زخمی ہیں لہٰذا ان زخمیوں کو تکلیف نہ دی جائے انہیں اسی طرح اٹھا لیا جائے گا جس طرح زخمی کو سٹریچر پہ لایا جاتا ہے اور یہی اولیاءؑ کے مجمع کی برکت ہے۔ یہی بات ہے کہ دنیا کی کتابیں پڑھ ڈالو جن میں زیارات لکھی ہوئی ہیں کہ پندرہ شعبان کو کربلا معلیٰ میں ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام اور آئمہ طاہرینؑ بمعہ ملائکہ کے تشریف لاتے ہیں۔ نجف میں، مدینہ میں، کاظمین میں سامرے میں، مشہد میں۔ کہیں یہ نہیں لکھا ہوا کہ کسی جگہ حسینؑ تشریف لائیں گے۔ بلکہ سارے بزرگ

حسینؑ کے پاس تشریف لاتے ہیں۔ غالباً سب نے مل کر یہ فیصلہ کیا ہو گا کہ حسینؑ کے یہاں چلے چلو کیونکہ یہ بچہ زخمی ہے لہٰذا اسے تکلیف نہ دو۔ چنانچہ سب کربلا معلےٰ میں تشریف لاتے ہیں اور حسینؑ کا دربار کائنات کے شہنشاہوں کی آمد سے سج جاتا ہے۔ اور سجنے کا انداز یہ ہوتا ہے کہ ——— منظام قدرت سجایا گیا جنت اعلےٰ کے بنے ہوئے مرمریں پتھر فرش کی جگہ بچھائے گئے۔ علم آدمؑ کے زمردیں تخت بچھائے گئے حلم نوحؑ کی آبشاریں چلا دی گئیں۔ ابراہیمؑ کی خُلّت کے پردے لٹکا دیئے گئے۔ ہیبت موسےٰؑ کو چوبدار بنا دیا گیا۔ زہد عیسیٰؑ کے نقش و نگار کر دیئے گئے۔ حسنِ یوسفؑ کی گلکاری ہوگئی اور پورے حرم کو سجا دیا گیا اور تختِ شاہی پہ جو اسٹیج بنی اس پر شہنشاہ کربلا اپنے بہتر ساتھیوں کے ساتھ آکر رونق افروز ہوگئے۔ شہنشاہ کے پیچھے کرسیوں پر اٹھارہ بنی ہاشم اور انکے پیچھے ہلالی شکل میں کرسیوں پر شہدائے کربلا اور باقاعدہ قرینے سے دو طرفہ کرسیاں رکھی ہوئی ہیں۔ ہر کرسی پر بیٹھنے والے نبی کا نام لکھا ہوا ہے اور حضور قمر بنی ہاشم عباسؑ غازی فیلڈ مارشل کی وردی پہنے ہوئے دروازے پر کھڑے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد کسی نے فیلڈ مارشل سے آکے کہا کہ آدمؑ سلام کیلئے حاضر ہوتے ہیں۔ اجازت ہے! ——— فیلڈ مارشل نے وہیں سے آواز دی۔ "سرکارِ حسینؑ ہیں آدمؑ کا سلام قبول ہو" سرکار کی طرف سے حکم ہوگا "آنے دو" چنانچہ آدمؑ آئے اور اپنی کرسی پہ بیٹھ گئے۔ اس کے بعد نوحؑ آئے اسی طرح جب سارے انبیاءؑ آکر قرینے سے اپنی کرسیوں پر بیٹھ گئے تو قمر بنی ہاشمؑ نے سر جھکا کے عرض کی۔ "سرکار حسینؑ ہیں حضور سرکار عالمینؐ تشریف لا رہے ہیں"

حضور سرکار عالمینؐ کا نام سُنتے ہی سید الشہداء اپنے تخت سے اُترے۔ آگے بڑھ کر ناناؐ کا استقبال کیا۔ اپنے برابر کی کرسی پہ بٹھایا۔ اور اس کرسی کے پیچھے شہزادہ علی اکبرؑ کو کھڑا کر دیا۔ تاکہ ہم شکل محمدؐ، محمدؐ کے ساتھ ہی بیٹھ جائے اس کے بعد آئمہؑ طاہرین تشریف لائے اور اپنی اپنی کرسیوں پر قرینے سے بیٹھ گئے۔ اس کے بعد حکم ہوا "اہل دربار! اپنی آنکھیں بند کر لو۔ میری اماں آرہی ہیں"۔ حضور سیدہ طاہرہ آکے بیٹھ گئیں۔ چنانچہ جب سب اپنے اپنے

قرینے سے بیٹھ گئے اور دربار شروع ہوا تو اچانک ایک آواز آئی۔

"بھیا! کیا میں بھی آسکتی ہوں؟"

بس اس آواز کا سُننا تھا کہ قمر بنی ہاشمؑ نے سر سے عمامہ اتار کے پھینک دیا۔ شہزادہ علی اکبرؑ ننگے سر ننگے پاؤں دوڑے اور حسینؑ نے کرسی چھوڑ دی۔ محمدؐ تعظیم کو کھڑے ہو گئے۔ سیّدہ نے چادر پھیلا دی۔ آئمہ طاہرین جھک کے سلام کرنے لگے۔ انبیاء ہاتھوں پہ ہاتھ رکھ کے کھڑے ہو گئے اور زینب جھجکتی ہوئی، ڈرتی ہوئی کہے گی۔

"حسینؑ! آج تیرے دربار میں زینبؑ آ رہی ہے۔ حسینؑ! اجازت ہے، میں آجاؤں؟"

محترم بزرگو!

حضور امام زین العابدین علیہ السلام آگے بڑھیں گے اور پھوپھی کو سلام کرکے پھوپھی کا بازو پکڑ کر فرمائیں گے۔

"پھوپھی اماں! آؤ ساتھ چلیں"

اور حسینؑ کے دربار میں پھوپھی بھتیجے آکے بیٹھ جائیں گے۔ گویا اس شان سے زینبؑ کی آمد ہوگی۔

حسینؑ پوچھیں گے: "زینبؑ! کچھ کہنا چاہتی ہو؟"

زینبؑ فرمائیں گی "حسینؑ! ایک بات کہہ کے مجھے واپس جانا ہے اللہ تیرے دربار کو آباد رکھے۔ حسینؑ! میں نے بڑی محنت سے تیرا دربار آباد کیا۔ حسینؑ! اطراف عالم میں دنیا کے لوگ تیرے ماتم دار ہیں۔ میں ہر ایک کے گھر جاتی ہوں۔ حسینؑ! آج میں تیرے دربار میں ان کی سفارش لے کے آئی ہوں۔"

حسینؑ فرمائیں گے: "زینبؑ! فکر نہ کر جو تو فرمائے گی وہی ہوگا"

حسینؑ! میں چاہتی ہوں کہ کربلا کے شہر میں میری سواری کا جلوس گذر وا دو۔ میں تیرے سارے شہر کو دیکھنا چاہتی ہوں۔ حسینؑ یہ وہی جنگل ہے نا۔ جہاں میرے

جہاں میرے سر سے چادر اُتری تھی ۔ حسینؑ یہ وہی جگہ ہے نا ۔ جہاں میں کھڑی ہوئی دیکھ رہی تھی اور تو ذبح ہو رہا تھا"

اللہ ہمارے دلوں میں ولائے آلِ محمدؐ اور مودۃ آلِ محمدؐ عطا فرمائے ۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْم ط

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّد ط

اے آلِ محمدؐ !

اچھے غلاموں کو اپنا کہنا تو ہر آقا کا کام ہے ——— مگر ——— تمہاری شان تو یہی ہے ——— کہ ہم جیسے "گناہ گاروں" کو اپنا کہدو

(خطیبِ آلِ محمدؐ)

جگ وچ میںجاں جدے کر رہے اوہدی زندگی ضائع
ہوئی آخر مرنا کہیا پیا ساہ دا وساہ نئیں

مطلب :- آکھے ہون دی اوڑکی سنگ ہووے ویر لکینہ
شیخو کئی لوک بیٹھی جے اج ڈھونڈا لبھدے
شیخو کئی نہ ملیا کی میرے سنگ ہے دے
کئی لوک پیدل بن ٹرساں کی میرے ٹوکھ
ہوئے راہ نئی ہے